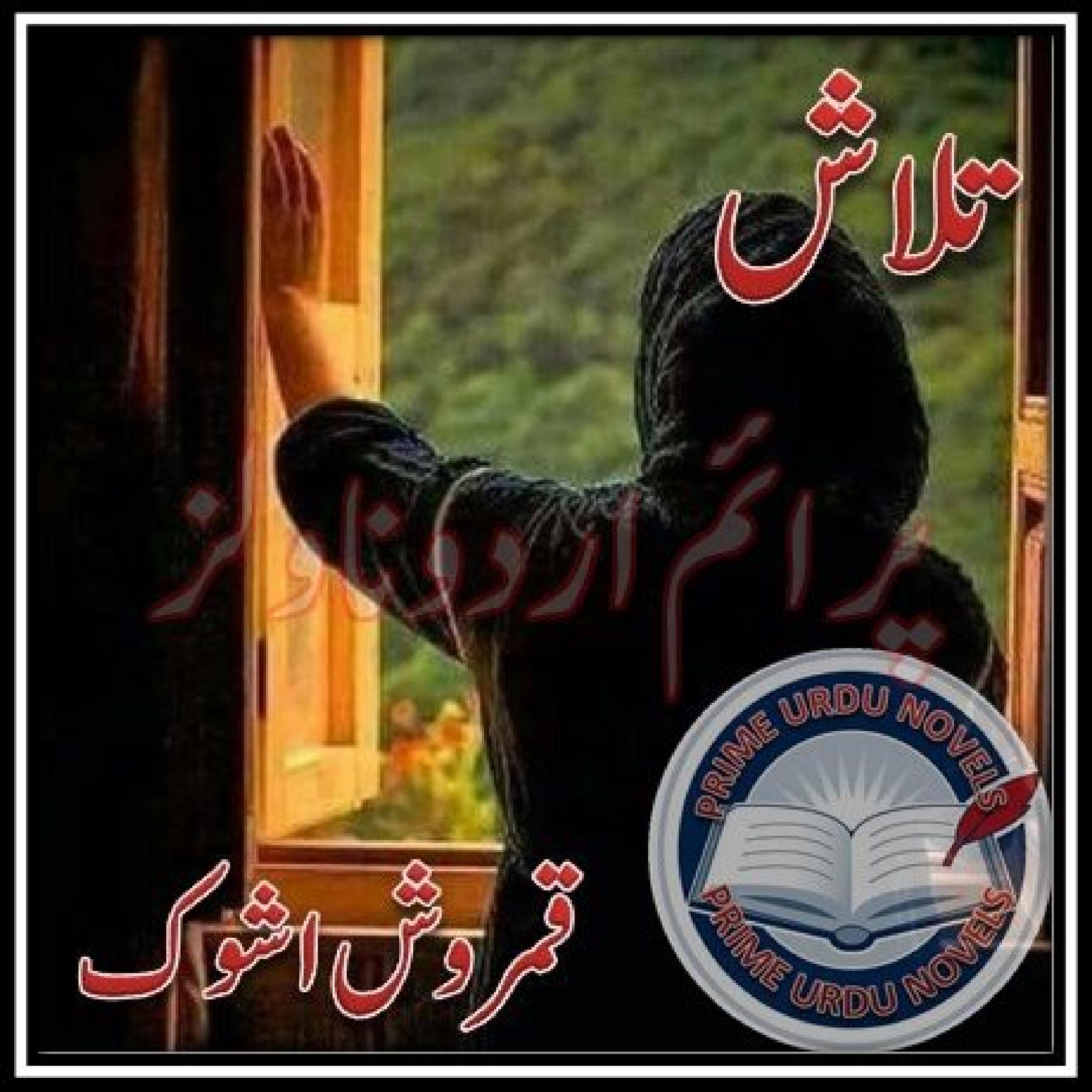
تلاش
پرائم اردو ناولز
PRIME URDU NOVELS
PRIME URDU NOVELS
قمر وش اشوک

قمروش اشوک

تلاش

صاف وشفاف لمبی سڑک پر دھول اڑاتی دھواں چھوڑتی سرمئی بجیر و تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی کہ اچانک جھٹکے سے رکی، ملک رحبان شاہ جو پیچھے کی سیٹ پر اطمینان و سکون سے بیٹھا اخبار میں لکھی سرخیاں پڑھنے میں مگن تھا اس جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے اخبار چھوٹ کر گود میں آ گرا جسے ایک نظر دیکھنے کے بعد وہ اپنے آگے بیٹھے دونوں گارڈز کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ دونوں بھی اس افتاد کے لیے تیار نہ تھے اس لیے ان میں سے ایک نے گھبرا کر پہلے ملک رحبان شاہ کو دیکھا پھر گاڑی سے نیچے اترا اور پوری طرح معائنہ کرنے کے بعد پیچھے کی سائیڈ

مکمل ناول

سے گھوم کر ملک رحبان شاہ کی کھڑکی کی جانب آ کھڑا ہوا۔

''چھوٹے ملک گاڑی کے پیچھے کا ایک ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔'' نیلی وردی میں کندھے پر بندوق لٹکی وہ سیدھا و مؤدب کھڑا گارڈ بولا۔

''او کے۔'' ملک رحبان شاہ بجیرو سے نیچے اترا اور گاڑی سے تھوڑا دور ہٹ کر اپنے خوب صورت گاؤں کے سرسبز و شاداب منظر دیکھنے لگا۔ ''یہاں کی ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار فضاؤں کو اپنے نتھنوں کے ذریعے سانسوں کو معطر کرنے لگا۔ اچانک اس کے کانوں میں کسی سرکسی ساز کی دھن سنائی دی۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ تھوڑی دور پگڈنڈی کے پاس تین لڑکیاں کھڑی تھیں۔ ان ہی میں سے وہ لڑکی سب سے نمایاں و دلفریب تھی۔ سفید شلوار پر لائٹ پنک سادی قمیص میں دوپٹے کو اپنے سراپے کے گرد لپیٹے وہ لڑکی ملک رحبان شاہ کے دل کے تاروں کو اچانک ہی چھیڑ گئی۔ میدے جیسی رنگت جس پر اس کے رخسار سرخ ٹماٹر کی مانند لگ رہے تھے۔ ملک رحبان شاہ ملک ملک قریہ قریہ گھوما تھا لیکن اتنا مکمل حسن اس نے آج پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ اس کا واسطہ کبھی حسین لڑکیوں سے نہ پڑا ہو، ایک سے ایک حسین، ایک سے ایک بولڈ و ماڈرن لڑکی سے اس کی دوستی رہی ہے لیکن ان میں سے کبھی کسی نے اس کے دل کو متاثر نہ کیا اسکا دل کبھی اس طرح نہ دھڑکا۔ نا جانے آج اس وقت اسے ایسا کیوں لگا کہ اس کا دل اس ہوشربا کی جانب جھکتا چلا جا رہا ہے۔ کوئی نامانوس سی خوشبو اسے اپنے گھیرے میں لے رہی ہے۔ اسے لگا اس کی تلاش ختم ہو گئی ہے اس کا سفر سہل ہو گیا ہے۔ ملک رحبان شاہ جیسے مضبوط شخص کے قدم انجانے میں اس کی جانب بڑھنے لگے جو اپنی ہنسی کی جھنکار سے اسے اپنی طرف کھینچ رہی

تھی۔

''چھوٹے ملک آئے پنکچر ٹھیک کر دیا ہے۔'' گارڈ کی مؤدبانہ آواز نے ملک رحمان شاہ کا تسلسل توڑ دیا۔ اس کے اٹھتے قدم تھم گئے۔ اس نے پہلے اس گارڈ کو دیکھا اور پھر اس اپسرا کو۔

''ہائے رہا، روشنی وہ دیکھ ہمیں کیسے گھور گھور کر دیکھے ہے۔'' سلمٰی کی نظر اچانک وہاں اٹھی تھی اس کے بولنے پر ساتھ کھڑی روشنی اور صالحہ نے بھی وہیں دیکھا۔

''لگتا ہے لڑکیاں پہلی بار دیکھے ہے۔'' سلمٰی نے سامنے کھڑے وائٹ لٹھے کے کلف لگے سوٹ میں ملبوس کندھے پر ڈلی براؤن مردانہ شال رکھے وہ اس شخص کو گھورنے لگی۔

''ابھی جا کر بتاتی ہوں میں اسے۔'' وہ آگے بڑھنے لگی تھی کہ روشنی نے اس کی لڑاکا فطرت دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کے روکا۔

''پاگل ہوئی ہو کیا۔ ہمیں تو یہ کوئی اور ہی معلوم ہوتے ہیں۔'' روشنی نے گھبرا کر پہلے ملک رحمان شاہ کو دیکھا اور پھر سلمٰی کا ہاتھ کھینچتی ہوئی وہاں سے لے گئی۔

''ارے ہاں یاد آیا یہ تو اپنے چھوٹے ملک رحمان شاہ تھے۔'' صالحہ جو اسے دیکھنے کے بعد کافی دیر سے اسے یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی اچانک چلتے چلتے بولی۔

''کیا.....!'' سلمٰی کو زبردست دھچکا لگا۔

''ہاں کیونکہ یہ سال میں ایک دفعہ آتے ہیں گاؤں۔ پچھلے سال جب یہ آئے تھے ناں تو اتفاق سے میں حویلی ہی میں تھی جب دیکھا تھا میں نے انہیں اور تجھے تو معلوم ہے میں جس شخص کو ایک بار دیکھ لوں پھر وہ میرے دماغ سے نکلتا نہیں ہے۔'' اس کا انداز فخریہ تھا۔

''اچھا ہوا روشنی تو نے مجھے روک لیا ورنہ میرے منہ سے نامعلوم کیا اناپ شناپ نکل جاتا۔'' سلمٰی نے تشکرانہ انداز میں کہا۔

''بہت ہی زیادہ اچھا ہوا جو روشنی نے تجھے روک لیا ورنہ وہ تو تیرا وہ حشر کرتے کے تو اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی لے ڈبوتی۔'' صالحہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''کیا وہ بہت ظالم ہیں؟'' روشنی نے پوچھا۔

''ارے ایسے ویسے۔ یہ وڈیرے لوگ جو ہوتے ہیں ناں اپنی عزت پر تہمت برداشت نہیں کر سکتے۔ میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے خاندان کی ایک بہو تک کو زندہ جلا کر مار دیا ہے۔''

''ہائے رہا.....'' روشنی نے اپنا دایاں ہاتھ سینے پر دھرا۔ ''صالحہ تم تو ہمیں ڈرا رہی ہو۔'' اس کی بات پر روشنی نے جھرجھری سی لی۔

''میری معصوم بنواب تو تو زیادہ تر اپنے گھر میں ہی گھسی رہتی ہے تجھے کیا معلوم کہ حویلی میں کیا کچھ نہیں

ہوتا۔ اسی لیے کہتی ہوں میرے ساتھ روزانہ تو بھی حویلی چلا کر۔"

"نہ بابا نہ..... ہم تو نہ جائیں وہاں۔ ویسے بھی ہمیں خرم نے سختی سے منع کر رکھا ہے۔ ہم حویلی کے آس پاس بھی نہ نظر آئیں۔" وہ مسکرا کے بولی۔

"خرم کا بس چلے ناں تو وہ تجھے ہم سے بھی نہ ملنے دے۔" صالحہ بولی۔ "بس ساری زندگی اپنے سامنے تجھے بٹھا کر دیکھتا رہے۔"

"جی نہیں اب ایسی بات بھی نہیں۔" وہ جھینپ گئی۔

"اچھا تو پھر کیسی بات ہے جی۔" سلمٰی نے شرارت سے پہلے صالحہ کو دیکھ کر ایک آنکھ دبائی پھر اس سے بولی۔

"اس سے پہلے کہ تم دونوں اپنی شریر باتوں سے ہمیں تنگ کرو ہم تو چلے گھر۔" وہ سمجھ گئی اس لیے صالحہ کو سلمٰی پر دھکا دے کر بھاگ لی اور حویلی کی باتیں خرم کے ذکر پر بہت دور پیچھے رہ گئیں۔

☆☆☆

کروٹیں بدل بدل کر وہ تھک گیا تھا۔ بار بار اس کا معصوم چہرہ نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔ آخر کار وہ اٹھ بیٹھا تنگ آ کر اس نے اپنی مٹھی میں سر کے بالوں کو زور سے جکڑا لیکن پھر بھی کوئی سکون نہ تھا دل مزید بے چین ہو گیا۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہوا، روم فریج سے پانی کی یخ ٹھنڈی بوتل نکال کر اپنے ہونٹوں سے لگائی۔ اس سے بھی کچھ نہ ہوا۔ ایک گھنٹے تک ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ تھک ہار کر وہ کھڑکی کے قریب آ کھڑا ہوا جہاں سے چودھویں کا چاند آج اپنی چاندنی سمیت بھرپور آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ اس کی نظریں چاند پر ٹھہر سی گئیں۔ ملک رحبان شاہ رات کے تیسرے پہر اگر اسے کوئی اس وقت ایسے کسی کی یاد میں رتجگا کرتا دیکھ لیتا تو یقیناً پاگلوں کی فہرست میں شمار کرتا ملک رحبان شاہ وہ بھی محبت..... بقول اس کے دوستوں کے تم محبت کے بالکل متضاد ہو۔ یہ نرم، خوبصورت سوفٹ سا جذبہ ملک رحبان شاہ جیسے بندے کے لیے بالکل نہیں ہے۔

وہ چاند دیکھ کر مسکرا دیا جیسے وہ چاند نہیں بلکہ وہ پری رو ہو جسے وہ سوچے چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

"روشنی میں ذرا حمیدن کو یہ قمیص دینے جا رہی ہوں جب تک تو روٹی ڈال لے۔" فاطمہ بیگم نے ہاتھ میں پکڑی نیلی قمیص طے کی۔

"اچھا اماں۔" وہ فرمانبرداری سے کہتی ہوئی کھڑی ہوئی اور آ کر چولھے کے پاس آ بیٹھی۔

روشنی فاطمہ بیگم کی اکلوتی بیٹی تھی۔ باپ کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا مگر فاطمہ بیگم نے دوسری شادی نہ کی بلکہ ادھر ادھر کے گھروں، گاؤں اور کچھ حویلی کے مالکنیوں کے کپڑے سی دیا کرتی تھیں جس سے ان کے گھر کا خرچہ پانی چلتا تھا۔ روشنی نے صرف میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی آگے ان کے حالات نے اس کا ساتھ نہ دیا۔

اس لیے ادھوری تعلیم چھوڑ کر وہ گھر ہی میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ روشنی ایک حسین لڑکی تھی لیکن اسے اپنی خوبصورتی کی رتی برابر پرواہ نہ تھی۔ فاطمہ بیگم اکثر اسے دیکھ کر ڈر جایا کرتی تھیں کہ اس کا یہ حسن اس کے لیے جان کا وبال نہ بن جائے اس لیے انہوں نے اپنی منہ بولی بہن کے بیٹے خرم سے اس کی منگنی چھوٹی عمر میں ہی کر دی تھی اور اب جلد از جلد اسے خرم کے سپرد کر کے سکون کی سانس لینا چاہتی تھیں۔

وہ روٹی پکانے میں اتنی مگن تھی کہ یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ کب خرم آیا اور اس کے سائیڈ میں کھڑا ہوا بڑی پیار بھری نظروں سے تک رہا ہے۔ لکڑی میں جلتی آگ کے شعلے اسکے میدے جیسی رنگت پر پڑ کر ایک الگ ہی منظر پیش کر رہے تھے۔ روشنی کو اچانک کسی کے ہونے کا احساس ہوا۔ اس لیے اس نے توے پر روٹی ڈالنے کے بعد ادھر نگاہ اٹھائی۔ وہ کھڑا آنکھوں میں محبت کی شمعیں جلائے اسے چاہت بھری نگاہوں سے تک رہا تھا۔ روشنی چونک گئی۔

"تم....." اس کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ اپنی روٹی کی طرف دوبارہ متوجہ ہونے کی ناکام کوشش کرنے لگی جبکہ خرم اس کی اس ادا سے محظوظ ہوتا ہوا اس کے سامنے رکھے پیڑے پر بیٹھ گیا۔

"میں نے سوچا اتنے دن ہو گئے تجھے دیکھے سوچا مل آؤں، دیکھ آؤں میرے آنگن کی روشنی کا کیا حال ہے۔ کیسی ہے تو.....؟" خرم نے پیار سے دریافت کیا۔

"ہاں ٹھیک ہیں۔" وہ روٹی بیلتے ہوئے بولی۔ "تم روٹی کھاؤ گے؟" اس نے روٹی توے پر ڈالی پھر اس سے بولی۔ وہ اس کی طرف دیکھنے سے یکسر گریز برت رہی تھی۔

"ہاں بھئی کیوں نہیں، کافی دن ہو گئے تیرے ہاتھ کا کچھ کھائے ہوئے۔"

"اچھا تم وہاں چارپائی پر آرام سے بیٹھو ہم تمہیں دو منٹ میں دیسی گھی کا پراٹھا بنا دیتے ہیں۔" اس نے جلدی سے ایک اور آٹے کا پیڑا بنایا۔

"نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔" وہ اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہونے لگا۔

"ارے روشنی یہ دروازہ کیوں کھلا..... ارے خرم کیسا ہے بیٹا تو....." فاطمہ بیگم خرم کو دیکھ کر خوش ہوئیں۔

"سلام خالہ....."

"وعلیکم جیتا رہے۔ یہ بتا اتنے دنوں پر کیوں آیا ہے۔" سلام کا جواب دینے کے بعد فوراً شکوہ بھی کر ڈالا۔

"اصل میں خالہ میں رابعہ سے ملنے گاؤں گیا تھا اس لیے آ نہ سکا۔" وہ وہاں سے اٹھ کر چارپائی پر فاطمہ بیگم کے برابر میں آ بیٹھا اور وہاں روشنی نے شکر ادا کیا۔

"ارے ہاں یاد آیا، رابعہ کی نند کی کل مہندی ہے، یہ روشنی بہت ضد کر رہی ہے میں بھی جاؤں گی لیکن میں منع کر رہی ہوں اب تو ہی بتا اتنی رات ہو جائے گی آنے میں۔ خرم تو ہی منع کرا اسے کہ مہندی میں نہ جائے ہم مل کر برات میں چلے چلیں گے لیکن یہ لڑکی میری ایک نہیں سن رہی۔" فاطمہ بیگم نے خرم سے اس کی شکایت کی۔

"ماں یہ کیا بات ہوئی، آخر کو سلمیٰ اور صالحہ بھی تو جا رہی ہیں ناں۔ ہم بھی جائیں گے۔" اس نے خرم کے

آگے میز کھینچ کر اس پر پراٹھا اور اچار کی پلیٹ رکھی۔ اس کی آنکھوں کی معصومیت دیکھتے ہوئے خرم دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس نے خود اپنے ساتھ اسے لے جانے کی ہامی بھری آخر کو روشنی اس کی اہم ذمے داری تھی۔

☆☆☆

"رھبان پتر کہیں جا رہے ہو کیا؟" عابدہ بیگم اس کے کمرے میں آئیں۔ مسٹرڈ کلف شدہ بغیر شکن کا شلوار کرتا، پیروں میں پشاوری سینڈل کندھے پہ رکھی بلیک مردانہ شال آئینے کے سامنے کھڑا اپنے بلیک چمکتے بالوں کو سیٹ کر رہا تھا۔ اس کا جائزہ لینے کے بعد عابدہ بیگم بولیں تھیں۔

"جی اماں جان......" بال سنوارنے کے بعد وہ اپنے اوپر پرفیوم اسپرے کرنے لگا۔ "کوئی کام تھا کیا آپ کو؟" وہ ان کی طرف گھوما۔

"ہاں کام تو تھا لیکن کوئی گل نہیں تم پہلے اپنے کام سے فارغ ہو جاؤ پھر تم سے کہہ دوں گی۔" وہ واپس جانے کو مڑیں جب ہی ملک رھبان شاہ نے پکارا۔

"نہیں اماں جان آپ کہیے، میرے لیے آپ سے ضروری کوئی کام نہیں ہو سکتا۔" وہ انہیں اپنے ساتھ صوفے تک لے آیا۔ اسے اپنے باپ سے زیادہ اپنی ماں سے پیار تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ زیادہ تر اپنے باپ کے پاس لندن میں رہا ہے۔

"پتر میں چاہتی ہوں کہ تم اب کے حرا کو بھی اپنے ساتھ باہر لے جاؤ۔ وہاں اس کا علاج کراؤ۔ وہ خود سے تو نہیں مان رہی لیکن جب تم اسے اپنی ذمے داری بنا کے لے کر جاؤ گے تو وہ یقیناً مان جائے گی۔" عابدہ بیگم نے اپنی بات کہنے کے بعد اس کا چہرہ جانچا، جہاں نہ سمجھ میں آنے والے سوالات تھے۔

"اتنی سی بات......اوکے میں لے جاؤں گا۔" وہ مسکرا کے انہیں دیکھنے لگا۔

"تو پھر شادی کی تیاری کریں؟" اس کی بات پر وہ کھل سی گئیں۔

"لیکن اماں جان میں اسے ایسے ہی لے جاؤں گا۔" وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔

"نہیں ایسے کیسے، آخر کو وہ تمہاری منگ ہے۔ بس میں نے کہہ دیا میں اسی مہینے تم دونوں کی شادی کر رہی ہوں۔" عابدہ بیگم اس کی کچھ سنے بغیر اٹھ کر چلی گئیں اور وہ انہیں پیچھے سے پکارتا رہ گیا۔ غصے میں اس نے اپنی ہتھیلی پر دوسری ہتھیلی کا مکا بنا کر مارا۔

☆☆☆

ملک اسفندیار شاہ اور ملک رضوان شاہ دو ہی بھائی تھے۔ اسفندیار کی شادی ان کی بچپن کی منگیتر عابدہ سے کر دی گئی جس کے لیے وہ قطعی طور راضی نہ تھے۔ اس لیے وہ گاؤں کی ساری زمینیں چھوڑ چھاڑ کر لندن سدھار گئے اور وہیں اپنا بزنس سیٹ کر لیا لیکن سال دو سال میں ایک دفعہ پاکستان کا چکر ضرور لگاتے تھے۔ لندن میں ان کا بزنس وہ اور ان کا چھوٹا بیٹا ملک رھبان شاہ سنبھالتے تھے اور گاؤں کی زمینیں ان کے دونوں بڑے بیٹے

ملک نیاز شاہ اور ملک شہباز شاہ کی نگرانی میں تھیں۔ ملک رضوان شاہ کی دو بیٹیاں تھیں اقراء شاہ جو کہ ملک نیاز شاہ کی بیوی تھی اور دوسری حرا شاہ جس کی منگنی بہت بچپن میں ہی ملک رحبان شاہ سے کر دی گئی تھی۔ جبکہ ملک شہباز شاہ کی شادی عابدہ بیگم نے اپنی بہن کی بیٹی رابیل سے کی تھی۔ عابدہ بیگم کو ملک رحبان شاہ پہ شک گزرا کہ کہیں وہ حرا سے شادی کرنے سے انکار نہ کر دے۔ آخر کو لندن میں رہا ہے انہیں اس کے ساتھ ساتھ حرا کی بھی فکر لاحق تھی۔ اسے اچانک ٹی بی جیسی خطرناک بیماری نے آگھیرا تھا۔ کافی علاج کروایا تھا اور اب تک کرایا جا رہا تھا لیکن کوئی افاقہ نہ ہو پا رہا تھا اس لیے انہوں نے سوچا تھا کہ جلد از جلد اس کی شادی ملک رحبان شاہ کے ساتھ کر کے لندن بھجوا دیں وہ وہاں کسی بڑے ڈاکٹر سے اس کا علاج کروائے اور اب وہ ملک رحبان شاہ کی کچھ سنے بغیر اس کی شادی کی تیاری میں مگن ہو گئیں۔

میں نے تمہاری گھاگھرے سے کبھی پانی پیا تھا وہ دن یاد ہے مجھے
سن لے ذرا گوری تو شرما کے تھوڑا سا بل کھائی تھی وہ دن یاد ہے مجھے

دولھا اور دلھن کے گھر والوں کی طرف سے ساری لڑکیاں بڑی خوبصورتی و مہارت سے اس گانے پر ڈانڈیاں ڈال رہی تھیں۔

"چھوٹے ملک....." اس نے اپنے گھر کے پاس ملک رحبان شاہ کی گرے پجیرو رکتی دیکھی تو وہاں بھاگا چلا آیا۔ "چھوٹے ملک آپ یہاں....." وہ حیران ہی تو رہ گیا تھا۔

"ہاں بھائی ہمیں ان سے پتا چلا کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے تو سوچا ذرا مل آئیں تم سے۔" اپنے پیچھے کھڑے دونوں گارڈز کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ دھرا۔

"جی چھوٹے ملک!" اس نے شرمانے کے انداز میں منہ نیچے کر لیا۔

"بہت بہت مبارک ہو تمہیں۔ یہ لو رکھو اس خوشی میں۔" انہوں نے زبردستی اس کے ہاتھ میں ہزار ہزار کے کچھ نوٹ رکھے۔

"آپ اندر آئیے ناں چھوٹے ملک۔" اس کے بہت اصرار پر وہ اندر چلا آیا اسے دیکھ کر سب ہی مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ ملک رحبان شاہ کے لیے اسد جلدی سے اندر سے ایک کرسی لے آیا۔ اسے صاف کی اور وہ وہاں بیٹھ گیا۔ اندر کا منظر اسے صاف نظر آ رہا تھا جہاں ساری لڑکیاں ڈانڈیاں ڈال رہی تھیں۔ ملک رحبان شاہ کا تھوڑی دیر بعد اٹھ جانے کا ارادہ تھا ہی کہ سامنے اس کی نظر اس اپسرا پر پڑی جس نے ملک رحبان شاہ کی دن کا چین رات کی نیندیں حرام کر ڈالی تھیں۔ سلک کا پیرٹ اینڈ یلو چولی گھاگرہ پہنے دونوں کلائیوں میں فل میچنگ کی چوڑیاں، بالوں کی خوبصورتی سے کندھی چوٹی جس میں موتیوں کے گجرے پیروئے ہوئے تھے ہاتھوں میں پکڑی ڈانڈیاں وہ ہنستی ہوئی ڈال رہی تھی جو کہ ملک رحبان کا وہ رہا سہا سکون بھی لے اڑی وہ یک ٹک دیکھنے میں اسے مگن رہا۔

گانے کے اختتام پر ساری لڑکیاں تھک کر بیٹھ گئیں وہ سب ہنس ہنس کر ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں جب ہی روشنی کی نظر اپنے سامنے شاہانہ انداز میں بیٹھے اس شخص پر پڑیں جو اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی گھورتی ہوئی نظروں سے وہ پزل ہونے لگی۔ صالحہ اور سلمٰی کو دیکھا، وہ دونوں اپنی باتوں میں مگن تھیں روشنی جلدی سے وہاں سے کھڑی ہوئی اور ان کے پاس آ کر چلنے کی ضد کرنے لگی۔ لیکن ان دونوں نے اسے دھوکہ دے دیا کہ آج رات وہ یہیں رہیں گی اور اسے بھی کہا تم بھی یہیں رک جاؤ۔ جس پر اس نے صاف انکار کر دیا۔ ماں انتظار کر رہی ہوگی۔ اتنے میں وہاں خرم چلا آیا۔ وہ تینوں اسی کے ساتھ آئی تھیں خرم نے انہیں چلنے کو کہا جس پر روشنی ان دونوں کو گھورتی ہوئی اس کے ساتھ ہولی۔ وہ دونوں گھر سے ایک ساتھ باہر نکلے، سامنے سرمئی پجیرو کے پاس ملک رحبان شاہ اس کے دونوں گارڈز اور اسد کھڑے تھے۔ ملک رحبان شاہ کی نظریں پھر اسی مکمل حسن کے پیکر پر ٹھہر گئیں جس نے اب خود کو بلیک چادر سے پورا ڈھانپ رکھا تھا۔

''اچھا اسد اب اجازت دے۔'' خرم ان کو دیکھتے ہی وہیں چلا آیا تھا۔

''ارے یار اتنی رات ہوگئی ہے میں تو کہتا ہوں یہیں رک جاؤ آج۔'' اسد بولا جس پر خرم نے منع کر دیا۔

''تو تم ایک کام کرو خرم ہم بھی گاؤں جا رہے ہیں تم ہمارے ساتھ چلو۔'' ملک رحبان شاہ نے اسے اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش کی۔

''نہیں چھوٹے ملک میں.....'' ملک رحبان شاہ نے اس کی بات کاٹی۔

''بھئی تم ہمارے دوستوں میں شمار ہوتے ہو اور ہم اپنے دوستوں کو پریشانی میں کیسے دیکھ سکتے ہیں۔''

''یہ تو آپ کا بڑا پن ہے ملک صاحب جو آپ مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں۔'' وہ مسکرا کے گویا ہوا۔

''تو پھر ہمارے ساتھ چلو۔'' روشنی منع کرنا چاہتی تھی کیونکہ ملک رحبان شاہ کی بولتی نگاہوں سے ڈر لگنے لگا تھا جو کب سے اسی کے چہرے پر گڑھی ہوئی تھیں۔ اس نے بے بسی سے صرف خرم کو دیکھنے پر ہی اکتفا کیا۔

آگے فرنٹ سیٹ پر اس نے خرم کو بٹھایا، روشنی کو اس نے پجیرو میں پیچھے کی سیٹ پر اکیلے بٹھایا اسے خرم کے ساتھ بلکہ کسی کے ساتھ بھی ایک ساتھ کھڑا ہونا ناگوار ہی گزرتا۔ اپنے دونوں گارڈز اس نے اس کے گھر چھوڑ دیئے اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔ آگے ویو مرر اس نے روشنی پر فوکس کر دیا۔ روشنی کافی دیر سے نوٹ کر رہی تھی جیسے ملک رحبان شاہ باتیں تو خرم سے کر رہا ہے لیکن دیکھ اسی کو رہا ہے۔ گھبراہٹ میں اس کے ماتھے پر ننھے ننھے سے چمکتے موتی ابھرنے لگے۔ وہ اپنے دل میں جتنی بھی اسے آیات یاد تھیں پڑھتی چلی گئی۔ اسے رات کی تنہائی سے زیادہ ملک رحبان شاہ کا خوف لگ رہا تھا۔ وہ تقریباً دروازے سے بالکل چپکی بیٹھی تھی، اپنے دونوں ہاتھوں کو اس نے بلیک چادر کے اندر چھپا رکھا تھا۔ آخر کو اللہ اللہ کر کے ان کا گاؤں آیا اور خرم کے گھر کے کچھ فاصلے پر ان کی پجیرو رکی۔ روشنی نے جلدی سے ڈور کھولا اور نیچے اتر گئی۔ وہ اب دوبارہ ملک رحبان شاہ کی طرف نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ اسی کو دیکھ رہا ہے۔ خرم چونکہ ملک رحبان شاہ کی

حویلی کا نوکر تھا اس لیے وہ اس کے سامنے نیچے نظر کیے مؤدب انداز میں بات کر رہا تھا۔ اس لیے وہ اس کا گھورنا نوٹ ہی نہ کر سکا۔ روشنی اپنے گھر خیر و حفاظت سے پہنچ کر سکون کے سانس لینے لگی اور نہانے کے بعد سب سے پہلے شکرانہ نفل ادا کرنے لگی اور توبہ کر لی کہ اب وہ ماں کی بات کبھی نہیں ٹالے گی کبھی بھی گھر سے دور اماں کے بغیر کہیں نہیں جائے گی۔

وہاں وہ اپنے بڑے و کشادہ کمرے میں جہازی سائز بیڈ پر تکیے کے سہارے نیم دراز لیٹا سگریٹ کے کش لگانے کے ساتھ ساتھ اسی ہوشربا کے سراپے میں گم تھا۔ بار بار اس کی آنکھوں میں اس کا زرد چہرہ گھوم رہا تھا جب وہ سرمئی پجیرو میں بالکل اس کی سیٹ کے پیچھے سمٹی سمٹائی سی بیٹھی گھبرا رہی تھی ملک رحمان شاہ کی نگاہیں ونڈ اسکرین کے ساتھ ساتھ اس پر بھی تھیں تو اس کی سماعت اپنے پیچھے بیٹھی اس پر لگی تھیں۔ وہ با آسانی اس کی لمبی لمبی سانسیں اور دھڑکن کی رفتار سن رہا تھا جس سے ملک رحمان شاہ کے عنابی لبوں پر بھرپور مسکراہٹ رنگ گئی۔ نا جانے اس وقت کیوں وہ اس کے قرب کا تمنائی ہو چلا۔ وہ اپنی تلاش کو حاصل کرنا چاہتا تھا جو کہ اس وقت ناممکنات میں تھا۔ ملک رحمان شاہ کی بے قراریوں میں آج مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کی روح و جسم میں بے بے چینیاں سی ہو رہی تھیں۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ باقی کا بچا سگریٹ اس نے کرسٹل ایش ٹرے میں بری طرح مسل ڈالا اور یہ رات بھی اس نے ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے گزار دی۔

☆☆☆

وہ ہال والے کمرے میں صوفے پر بیٹھا میگزین پڑھ رہا تھا جب ہی اقراء بھابھی اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔

"رحمان....!" انہوں نے دھیمے سے پکارا جس پر اس نے میگزین سے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"جی بھابھی....."

"رحمان میں اور حرا کراچی شاپنگ کے لیے جا رہے ہیں تم ہمارے ساتھ چلو۔" وہ مسکرا کے گویا ہوئیں۔

"بھابھی تو آپ نیاز بھیا یا شہباز بھیا میں سے کسی کے ساتھ چلے جائیں۔" اس نے خلوص سے مشورہ دیا۔

"جی نہیں ان دونوں میں کوئی نہیں صرف تم۔" انہوں نے انگشتِ شہادت سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

"صرف میں....." اس نے بھی چونک کر اپنے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا اپنے سینے پہ دھرا۔

"جی جناب صرف آپ بدولت، آخر کو دولھا صاحب ہیں تو شاپنگ بھی ساری آپ کی پسند کی ہونی چاہیے۔" وہ آج کچھ زیادہ شوخ ہو رہی تھیں۔ ملک رحمان شاہ شاک میں ہی رہ گیا۔

"کہاں گم ہو بھئی واپس آ جاؤ ابھی تمہیں کچھ نہ کہا جائے گا۔" انہوں نے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ لہرایا۔ ملک رحمان نے انہیں ایک نظر دیکھا اور پھر ہال کے دروازے سے نکلتا چلا گیا۔ اقراء بھابھی اس کی یہ ادا بالکل بھی نہ سمجھ سکیں۔

وہ حویلی سے نکل کر پیدل ہی چلنے لگا۔ ''میں تو بالکل ہی بھول چکا تھا اس بات کو جو آج اقراء بھابھی نے یاد دلائی تھی۔ وہ کیسے یہ شادی کر سکتا تھا جس کے بارے میں اس نے کبھی اس انداز سے سوچا تک نہ تھا، وہ کیسے اس کے دل تک رسائی پا سکتی تھی۔ ''میں کیسے اپنے تمام لطیف سے جذبات اس کے نام کر سکتا تھا، کیسے..... نو، نیور..... یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ ناممکن ہے۔ اوگاڈ..... میں کیا کروں۔ اماں جان کو کیا کہوں، جبکہ وہ میری کوئی بات سننے تک کو تیار نہ ہوں گی۔'' وہ سیدھا چلتا چلا جا رہا تھا۔ بادامی کرتے کی جیب سے اس نے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور لائٹر سے اس کو ایک شعلہ سا لگایا۔ وہ بھی تو اندر تک اسی شعلے کی طرح سلگ رہا تھا اچانک چلتے چلتے اس کی نظر مٹکے میں نہر سے پانی بھرتی وہی دشمنِ جاں نظر آئی۔ ملک رحبان شاہ کے قدم وہیں تھم گئے۔ روشنی نے مٹکے کو بھر کر اپنی مرمری کمر پر ٹکایا اور پیچھے کی جانب مڑی، اسے دیکھتے پا کر اس کے اوسان خطا ہونے لگے اور اسی چکر میں اس کے ہاتھ سے پانی سے آدھا بھرا مٹکا نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ اس نے ایک بے بس سی نظر مٹکے کو دیکھا اور پھر اسے جس نے سگریٹ کو اپنے لبوں سے نکال کر اپنی پشاوری سینڈل کے نیچے مسل ڈالی اور اب آہستہ آہستہ بے خودی میں قدم خود بخود اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔ روشنی اس کا اس عمل کو دیکھتا پا کر اپنے قدموں کو پیچھے کی جانب کرنے لگی۔ یہاں تک پیچھے کھڑے چوڑے تناور درخت سے جا ٹکرائی۔ اس کی عجیب حالت ہونے لگی، دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید آگے بڑھ کر اسے دبوچتا وہ چیخ کر بھاگنے لگی اور پھولی سانسوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی۔ دروازے کو جلدی سے بند کیا اور کنڈا چڑھایا اور اب اپنے سینے پر ہاتھ رکھے اپنی سانسوں پر قابو پانے لگی۔ فاطمہ بیگم عصر کی نماز ادا کر رہی تھیں جس پر اس نے شکر ادا کیا ورنہ وہ اپنی اس حالت کا کیا جواز پیش کرتی۔

☆☆☆

''ہو.....'' روشنی چارپائی پہ بیٹھی اپنی قمیص کاڑھ رہی تھی جب ہی صالحہ اور سلمٰی نے اسے پیچھے سے آ کر ڈرایا اور اسی ڈر کی زد میں آ کر اس کے ہاتھ سے فریم چھوٹ گیا اور اب اپنے سینے پر ہاتھ رکھے اپنے زور سے دھڑکتے دل کو قابو کرنے لگی جبکہ وہ دونوں اس کی حالت سے لطف اٹھا رہی تھیں اور منہ پر ہاتھ رکھے ہنس رہی تھیں۔

''تم دونوں بہت بدتمیز ہو۔'' روشنی نے صالحہ کو ایک مکا مارا۔

''تو پوری ہی جھلی ہے پاگل کہیں کی۔'' سلمٰی نے اس کے ماتھے پر ہلکی سی چپت لگائی۔ ''اچھا سن گاؤں میں میلہ لگا ہے تجھے ہم لینے آئیں ہیں چل جلدی سے تیار ہو جا۔''

''جی نہیں ہم تم دونوں کے ساتھ کہیں نہیں جائیں گے۔'' اس نے صاف انکار کیا۔

''ہائے وہ کیوں؟'' صالحہ نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''اس لیے کہ تم دونوں نے صبا کی مہندی میں دھوکہ دیا تھا ہمیں۔''

''ارے واہ دھوکہ کیوں، وہ تو ہم نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا تاکہ تو خرم کے ساتھ اکیلے آ سکے۔'' سلمٰی نے

ساری بات سچ بتائی جس پر روشنی پہلے منہ کھولے اسے دیکھنے لگی پھر اپنے پاس پڑے تکیے سے ان دونوں کی خوب مرمت کرنے لگی۔

شام کی چمکتی دھوپ میں وہ لان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا جو کچھ دیر پہلے اسے حرا دے کر گئی تھی۔ آج اس نے حرا سے کوئی بات نہ کی تھی نہ ہی اس کی طبیعت کے بارے میں خیریت دریافت کی تھی۔ ورنہ جب بھی وہ اس کے سامنے آتی وہ اس کا حال ضرور پوچھا۔ اس سے چھوٹی موٹی باتیں ضرور کرتا لیکن آج وہ اس سے یکسر بیگانہ ہو گیا تھا، مکمل طور پر اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ حرا اس کے لیے صرف ایک کزن کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس نے کبھی اس کے بارے میں کسی اور انداز سے نہ سوچا تھا۔ اس کے دل میں حرا کے لیے کوئی نرم جذبے نہ پنپے تھے بلکہ اس کے ایوانِ دل پر صرف ایک ہی کی شبیہ اتری تھی۔ جسے ملک رحبان شاہ نے بڑی مشکلوں سے تلاش کیا تھا اور اب وہ اسے ہر حال میں حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن ابھی فی الحال اس کا تذکرہ گھر میں کسی سے نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کو اچھی طرح جانتا تھا کسی کو بھی یہ بات گوارہ نہ ہوگی کہ حرا کی حق تلفی ہو۔ اس کی سوچیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھیں۔ دن بدن ٹینشن کا شکار رہنے لگا تھا۔ اسی رو میں ملک رحبان شاہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ زور سے دائیں جانب بنی دیوار پہ دے مارا۔ اس شور سے گیٹ پر کھڑا اس کا گارڈ دوڑا دوڑا اس کے پاس چلا آیا۔ وہ گارڈ بھی دیکھ رہا تھا کہ چھوٹے ملک کافی پریشان ہیں اس لیے اس نے ملک رحبان شاہ کو اپنے ساتھ میلے میں چلنے کی آفر کی تاکہ اتنی رنگ برنگیاں، خوشیاں دیکھ کر وہ کچھ فریش ہو سکیں جو کہ ملک رحبان شاہ نے بلا چوں چرا مان لی۔ اصل میں وہ اس وقت اس حویلی سے بھاگنا چاہتا تھا۔ ابھی لندن جانے میں بھی اس کو ایک مہینہ درکار تھا۔

''ہائے اللہ کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں ناں یہ چوڑیاں، دیکھ روشنی۔'' صالحہ نے روشنی کو چوڑیوں کے ٹھیلے پر کھڑا کر دیا جہاں ہر رنگ کی چوڑیاں اٹکارے مار رہی تھیں۔

''ہاں واقعی.....'' اس نے لال اور ہری چوڑی پر ہاتھ پھیرا۔

''تو تم لوگوں کو چوڑیاں پہننی ہیں۔'' خرم بھی ان کے پاس چلا آیا۔ سلمٰی اور صالحہ نے گردن اثبات میں ہلائی تو وہ مسکرا دیا۔

''یاران کے پاس چلا آیا۔ سلمٰی اور صالحہ نے گردن اثبات میں ہلائی تو وہ مسکرا دیا۔

''یاران دونوں کی پسند کی چوڑیاں دے دو۔'' خرم نے ٹھیلے والے سے کہا۔

''اور روشنی.....'' صالحہ کو اس کی فکر لگی۔

''اس کی فکر چھوڑو اس کو میں اپنے ہاتھ سے پہناؤں گا کیوں روشنی پہنے گی میرے ہاتھ سے۔'' خرم نے جھک کر روشنی کے کان میں دھیرے سے سرگوشی کی جس پر اسے ڈھیروں شرم نے آگھیرا جبکہ وہ دونوں خرم کو روشنی کی کلائی میں رنگ برنگی چوڑیاں پہناتے دیکھ کر کھی کھی کرنے لگیں۔

دور سے اس منظر نے ملک رہبان شاہ کے وجود میں چنگاریاں سی بھر دی تھیں۔ غصے کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو چلا تھا۔ اس نے جس طرح اس وقت خود کو ضبط کر رکھا تھا یہ وہی جانتا تھا۔ ملک رہبان شاہ کے یک ٹک دیکھنے پر اس کا گارڈ بھی اس کی نظروں کی سمت دیکھنے لگا اور مسکراتا ہوا اس سے بولا۔

''یہ اپنے خرم کی منگیتر ہے، بہت چاہتا ہے وہ روشنی کو۔ چھوٹے ملک اب آپ اپنے گاؤں میں خرم اور روشنی کی شادی......'' اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات پوری کرتا ملک رہبان شاہ نے اس کے جبڑے پر اپنا بھاری ہاتھ چھوڑ دیا۔ جس سے وہ اپنی جگہ سے تھوڑا لڑکھڑا کے رہ گیا۔ آس پاس کے آتے جاتے لوگ اسے رک کر دیکھنے لگے جبکہ وہ گارڈ اپنے جبڑے پر ہاتھ رکھے اپنے ملک کا یہ انداز دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ملک رہبان شاہ نے ایک نظر دور کھڑے روشنی اور خرم کو گھورا اور پھر اسے چلنے کو کہا۔

☆☆☆

رات کے اس وقت دس بج رہے تھے صحن میں فاطمہ بیگم سلائی مشین پر بیٹھی سلائی کی قمیص سی رہی تھیں جو کہ ادھوری رہ گئی تھی روشنی کمرے میں چارپائی پر لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی جب ہی دروازہ زور زور سے بجایا گیا تھا۔ فاطمہ بیگم نے سلائی چھوڑ دی اور جلدی سے دروازہ کھولنے چلی آئیں۔ ان کا خیال تھا کہ خرم ہو گا مگر وہاں تو ملک رہبان شاہ اپنے گارڈز اور قاضی سمیت کھڑے تھے وہ لوگ زبردستی اندر داخل ہوئے۔ فاطمہ بیگم یہ سب دیکھ کر دہل کر رہ گئیں۔ روشنی صحن سے شور سن کر وہیں چلی آئی یہ سب دیکھ کر اس کی بھی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں وہ ڈر کے فاطمہ بیگم کے پیچھے چھپ گئی۔

''ہم ابھی اور اسی وقت آپ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔'' ملک رہبان شاہ نے ایک بھرپور نگاہ روشنی کے نازک سراپے پہ ڈالی۔ روشنی خوف و دہشت کے مارے مزید سمٹنے کی کوشش کرنے لگی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ملک صاحب، یہ ناممکن ہے۔'' فاطمہ بیگم نے اپنے کندھے پہ روشنی کا رکھا ہاتھ بھینچ لیا۔

''کیا بکواس کر رہی ہے تو جانتی ہے یہ کون ہیں؟'' گارڈ زور سے دہاڑا۔

''آرام سے بھئی ہم ہر کام سکون و اطمینان سے کرنے کے عادی ہیں۔'' وہ دونوں کے پاس چلا آیا۔ ''ہم روشنی کو بغیر نکاح کے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ اگر آپ نہیں مانتی کہ یہ نکاح آپ کے سامنے ہو تو کوئی بات نہیں ہم روشنی کو یہاں سے لے جاتے ہیں۔'' اس نے پیچھے چھپی روشنی کو دیکھا۔ وہ اب دھمکیوں پر اتر آیا تھا۔ فاطمہ بیگم کے لیے یہ عزت کا سوال تھا۔ غریبوں کے پاس ان کی سب سے بڑی دولت ایک عزت ہی تو ہوتی ہے۔ فاطمہ بیگم نے اسے خرم کے بارے میں بتانا بھی چاہا تو ملک رہبان شاہ نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا اور آدھے پون گھنٹے کی کارروائی تھی۔ ملک رہبان شاہ نے روشنی کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ اور وہ دونوں ماں بیٹی کچھ نہ کر سکیں۔

کمرے میں ڈر و خوف سے روشنی فاطمہ بیگم سے تقریباً چپکی بیٹھی تھی جب ہی اندر ملک رہبان شاہ اور اس کے

دونوں گارڈز داخل ہوئے گارڈز نے بندوق کے زور پر وہاں سے کھڑا کیا اور صحن میں لے آئے جبکہ روشنی کھڑی کی کھڑی رہ گئی مارے خوف کے روشنی سن ہو گئی تھی۔ وہ چیخنا چاہتی تھی مگر آواز نے ساتھ چھوڑ دیا، وہ بے اختیار پیچھے ہٹتی چلی گئی۔ ملک رحمان شاہ نے پاس پڑی کرسی کھینچی اور بہت اطمینان سے بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا پھر ایک کش لگا کر اس کی طرف دیکھا۔ کچھ لمحوں بعد کہنے لگا۔

"تمہارا ہر انداز پاگل کر دینے والا ہے تمہیں معلوم ہے کہ تم یوں ڈری سہمی ہوئی اور بھی حسین لگ رہی ہو۔" ان کے لہجے میں سرشاری اور انداز میں فتح جھلک رہی تھی۔ اب وہ کھڑا ہوا باقی بچا سگریٹ جوتے کے نیچے مسل ڈالا۔ ملک رحمان شاہ کی آنکھوں میں آگ دھک رہی تھی جس میں وہ خود کو جلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ رحمان دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"میلے میں خرم کو تمہیں چوڑیاں پہناتے دیکھا تو شدت سے دل چاہا کہ اس کے دونوں بازو تن سے اکھاڑ دوں۔ اس نے تمہیں ہاتھ کیسے لگایا۔" ملک رحمان شاہ نے روشنی کی کلائیاں تھام لیں جس میں اب تک خرم کی پہنائی ہوئی چوڑیاں چھن چھن کر رہی تھیں۔

"چوڑیاں پہننے کا اگر اتنا ہی شوق تھا تو ہم سے کہا ہوتا، ہم ان میں سونے اور ڈائمنڈ کی چوڑیاں بھر دیتے۔" اس نے بڑی بے دردی سے اس کی کلائیوں میں ڈی چوڑیوں کو توڑ ڈالا۔ اس بات کی پرواہ کیے بغیر کے کتنے ہی ٹکڑے اس کی سفید کلائیوں پہ اپنا نشان چھوڑتی جا رہی ہیں، جہاں سے خون رسنے کو تھا۔

"یہ کام میں میلے میں بھی کر سکتا تھا لیکن مجبور تھا کہ تمہارے ماتھے پر ہمارے نام کی مہر ثبت نہ تھی۔ لیکن آج مکمل طور پر تم ہماری دسترس میں ہو۔" ملک رحمان شاہ نے اس کی مرمری کمر میں اپنا بازو ڈال کر اسے خود سے نہایت قریب تر کر لیا۔ دل میں بہت زور زور سے شور مچا ہوا تھا، دھڑکن گننے کا کوئی شمار نہ تھا۔ اس کی گرفت کی سعی کرنا بیکار تھی۔ روشنی کے بے آواز آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی۔ اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ زرد پڑنے لگا لیکن ملک رحمان شاہ اس وقت نہایت ظالم بنا ہوا تھا۔

"جانتی ہو تم ہماری تلاش ہو، ہمارا حاصل، جسے ہم نے بڑی مشکلوں سے کھوجا ہے۔ روشنی تم بہت خوبصورت ہو۔" وہ آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا، وہ بہک رہا تھا، مدہوشی میں کچھ کرنے کو تھا کہ کمرے کا دروازہ زور زور سے پیٹا گیا تھا۔ ملک رحمان شاہ کی گرفت اس پر کچھ ڈھیلی پڑ گئی جسے وہ موقع غنیمت جان کر اس کی گرفت توڑتی دیوار سے جا لگی۔ ملک رحمان شاہ جھنجھلاتا ہوا دروازے کی طرف گیا جہاں گارڈ انہ میں اس کا موبائل لیے کھڑا تھا۔

"چھوٹے ملک لندن سے ڈاکٹر کی کال آئی ہے بڑے ملک صاحب سی سی یو میں ہیں جی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو....." اس نے موبائل لے کر کان سے لگایا۔ جہاں ڈاکٹر کی اطلاع کے مطابق اسفندیار شاہ ہاسپٹل میں سی سی یو میں ہیں اور انہیں جلد از جلد آنے کو کہا ہے۔ ملک رحمان شاہ نے موبائل آف

کیا۔ ایک نظر اپنے پیچھے دیوار سے لگی ڈری، سہمی روشنی پر ڈالی اور گارڈز کو تحکمانہ لہجے میں باور کرایا کہ ان کا تمہیں ہر طرح خیال رکھنا ہے بغیر کسی کوتاہی کے اور پھر یہ جا وہ جا۔

روشنی جو کب سے کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی سن رہی تھی کھڑے کھڑے اس کے پاؤں شل ہو چلے تھے لیکن اسے کوئی پرواہ نہ تھی اسی کے گھر میں اس کی مرضی کے خلاف اس کی زندگی کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اور کوئی کچھ کر بھی نہ سکا۔ دماغ کے درد سے اس کی رگیں پھٹنے لگیں وہ اپنے رہے سہے اوسان بھی گم کرتی چلی گئی۔ اس کا شعور گم ہونے لگا تھا۔ سارا منظر آنسوؤں میں کھونے لگا اور آخر کار زمین پر پٹ گر پڑی۔ اس آواز سے فاطمہ بیگم جلدی سے اس تک چلی آئیں، ان کی حالت بھی اپنی بیٹی سے کچھ کم تو نہ تھی۔

☆☆☆

''روشنی چل اب اٹھ جا دیکھ صبح ہونے کو آ گئی ہے۔'' فاطمہ بیگم چارپائی پر بے سدھ پڑی روشنی کے پاس آئیں۔ رات کو انہوں نے بڑی مشکلوں سے اسے ہوش میں لانے کی سعی کی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ سارا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ اسے اپنا آپ اس وقت کھوکھلا و بے قیمت لگا۔ وہ خالی خالی نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی۔ فاطمہ بیگم نے تڑپ کر اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ اس کا سارا ضبط، سارا غبار آنسوؤں کی صورت میں بہہ نکلا۔ فاطمہ بیگم نے اسے سکون دینے کے لیے جلدی سے ایک گلاس گرم دودھ پلایا اور پھر چارپائی پر لٹا دیا۔ وہ بڑی نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھوں کی انگلیاں پھیر رہی تھیں جب تک وہ سو نہ گئی۔

صبح وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر اسے جگانے لگیں جیسے ہی انہوں نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا کرنٹ کھا کر جلدی سے اٹھا لیا، وہ تو بخار میں شدید تپ رہی تھی۔ انہوں نے اسے دونوں کندھوں سے جگانا چاہا لیکن بے سود۔ بغیر وقت ضائع کیے چادر اٹھائی تاکہ جلدی سے ڈاکٹر کو یہیں لے آئیں مگر یہ کیا انہوں نے جیسے ہی دروازہ کھولا سامنے رات والے وہ دونوں گارڈز کھڑے دکھائی دیئے۔ انہوں نے بھی فاطمہ بیگم کی طرف دیکھا وہ باہر نکلنے کو تھیں کہ ان میں سے ایک تیز رفتاری سے ان کے پاس چلا آیا اور پوچھنے لگا۔

''کیا ہوا.....'' جس پر وہ جلدی سے بولیں۔

''میری بیٹی بخار میں تپ رہی ہے میں ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں دوائی لانے۔''

''تو یہیں رہ میں لاتا ہوں ڈاکٹر کو۔'' وہ حکم دیتا ہوا چلا گیا۔ پانچ منٹ میں ڈاکٹر ان کے گھر میں تھا۔ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق اسے کسی قسم کا ذہنی دباؤ ہے وہ اسے ایک انجکشن لگا کے اور کچھ ہدایتیں دیتا چلا گیا۔ فاطمہ بیگم اپنی بیٹی کے پاس بیٹھی رونے لگیں۔

''یہ کیا قیامت برپا کر دی یا رب تو نے!'' وہ روتے روتے بولیں۔ اتنی دیر میں دروازہ دوبارہ کھٹکا وہ گئیں دروازے پر وہی گارڈ کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ دوائیاں، انڈے، مکھن، سلائس وغیرہ تھے وہ اس نے انہیں دینا چاہا لیکن فاطمہ بیگم نے لینے سے انکار کر دیا جس پر اس نے یہ سب فاطمہ بیگم کے ہاتھ میں زبردستی تھمایا اور

کچھ بولے بغیر انہیں گھورتا چلا گیا۔

''ہائے ربا سلمٰی، یہ تو وہی بندے ہووے جو چھوٹے ملک کے ساتھ رہتے ہیں۔'' صالحہ نے ایک انگلی اپنی ٹھوڑی پہ رکھی اور رک کر انہیں دیکھنے لگی۔ سلمٰی نے بھی وہیں دیکھا۔

''پر یہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' وہ دونوں انہیں دیکھتی ہوئی فاطمہ بیگم کے گھر آ گئیں۔

''خالہ یہ روشنی کو کیا ہوا؟'' صالحہ اور سلمٰی دونوں اس کے دائیں بائیں بیٹھی پوچھنے لگیں۔ روشنی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور فاطمہ بیگم سے چمٹ گئی۔

''ماں ہمیں بچالو، ہمیں بچالو ماں.....'' وہ زار و قطار رونے لگی۔ خواب میں ابھی اس نے خود کو ملک رحمان شاہ کے شکنجے میں پایا تھا جس سے وہ نکلنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ سلمٰی اور صالحہ اس کی حالت دیکھ کر دنگ رہ گئیں کبھی وہ روشنی کو دیکھتیں تو کبھی فاطمہ بیگم کو جو کہ اسے روتے ہوئے سہلا رہی تھیں۔

''بس میری جان میں تجھے کچھ نہیں ہونے دوں گی۔'' انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ سلمٰی اور صالحہ کو انہوں نے اپنا جان کر سب کچھ بتا دیا جسے سن کر ان کے چہرے ہونق سے کھلے رہ گئے۔

''یہ کیا کہے ہے خالہ تو، تو نے اس کا بتایا نہیں تھا کہ اپنی روشنی کسی کی منگ ہے۔'' صالحہ غصے سے بولی۔

''اس نے میری ایک نہ سنی بیٹا!'' فاطمہ بیگم نے اپنے دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کیے۔ ''مجھے بس اپنی دھی کی فکر ہے۔ میں نے سنا ہے حویلی کے لوگ بہت ظالم ہیں وہ میری دھی کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔'' انہوں نے اپنے سے لگی روشنی کو سہم کر دیکھا۔

''نہیں خالہ تو فکر نہ کر ایسا انشاء اللہ کچھ نہ ہوگا۔'' سلمٰی نے کہا۔ وہ دونوں کافی دیر تک بیٹھی رہیں، باتیں کرتی رہیں۔ صالحہ نے روشنی کو زبردستی دودھ اور انڈا ابال کر کھلایا۔

دن اسی طرح کٹ رہے تھے وہ دونوں گارڈز 24 گھنٹے پہرے پر رہتے کوئی ضرورت ہوتی فاطمہ بیگم کو ان میں سے ایک کر دیتا اور ایک بیٹھا رہتا۔ فاطمہ بیگم سوچ سوچ کر نڈھال ہوتی رہتیں وہ بہت زیادہ بوڑھی اور لاغر نظر آنے لگی تھیں اپنی بیٹی کی طرف سے ہزاروں سوچیں، لاکھوں فکریں ستا رہی تھیں۔ اس رات انہوں نے ٹرنک سے ایک کارڈ نکالا اور روشنی کو ایک سادہ پرچہ اور پین لانے کو کہا۔

''ماں.....'' روشنی صبح سویرے اٹھ گئی تھی، آج کل وہ بہت زیادہ ڈرنے لگی تھی یہاں تک تھوڑی دیر کے لیے بھی اکیلے نہ رہ پاتی۔ وہ فاطمہ بیگم کو اٹھانے آئی مگر افسوس انہوں نے بھی زندگی کی طرح اس سے منہ موڑ لیا تھا۔ اس کو اس ظالم دنیا میں تنہا اکیلا ہر درد، ہر تکلیف کو اکیلے سہنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

''آپی کوئی خبر آئی؟'' حرا نے اپنے قریب سوپ پلاتی اقراء سے پوچھا۔

''نہیں..... شہباز نے بہت کوشش کی کانٹیکٹ کرنے کی مگر کوئی رسپانس ہی نہیں مل رہا۔'' انہوں نے سوپ

سے بھرا چمچہ حرا کے منہ میں ڈالا۔

''بس آپی اور نہیں اب۔'' اقراء نے مزید ایک اور چمچہ چاہا لیکن حرا نے روک دیا۔

''کیوں اور نہیں..... ابھی تو آدھا پیالہ بھی نہیں ہوا۔ چلو جلدی ختم کرو اسے پورا۔'' انہوں نے زبردستی وہ چمچہ اس کے منہ میں ڈالا۔ ''اپنی حالت دیکھی ہے تم نے کتنی پیلی پڑتی جا رہی ہو۔''

''اقراء پتر سوپ پلا دیا حرا کو۔'' رضوان شاہ اندر داخل ہوئے۔

''اچھا ہوا بابا آپ آ گئے، یہ دیکھیے اسے سوپ پورا ختم نہیں کر رہی۔'' اقراء نے ان سے حرا کی پیار سے بھری شکایت کی جس پر وہ دونوں ہی مسکرا دیئے۔

''اچھا یہ بات ہے تو لاؤ یہ باقی کا سوپ ہم خود اپنی بیٹی کو پلائیں گے۔'' انہوں نے سوپ کا پیالہ اقراء کے ہاتھ سے لیا۔ اقراء وہاں سے اٹھ کر سامنے رکھی چیئر پر بیٹھ گئی اور ملک رضوان آرام آرام سے حرا کے منہ میں سوپ انڈیلنے لگے۔ انہیں اپنی اس بیٹی سے بچپن سے ہی پیار تھا۔ وہ بچپن سے ہی مختلف بیماریوں کی زد میں رہی تھی لیکن اتنی محبت و چاہت نے کبھی حرا کو چڑچڑا نہ بنایا تھا بلکہ وہ محبت سے گندھی ہوئی مکمل لڑکی تھی۔ کسی کو کبھی اپنی طرف سے کبھی پریشان نہ کیا تھا نہ ہی کسی کو کبھی شکایت کا موقع دیا تھا۔ شاید وہ جانتی تھی کہ اوپر والے نے بہت کم زندگی اس کے حصے میں بخشی تھی لیکن گھر والے پھر بھی اس کے علاج پر لاکھوں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرتے۔ علاج کے لیے پاکستان سے باہر جانے کو قطعی تیار نہ تھی لیکن عابدہ بیگم کی ضد پر وہ مان گئی تھی لیکن قسمت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔

☆☆☆

''ہم بہت اکیلے رہ گئے صالحہ، بہت اکیلے۔ خودکشی اگر حرام نہ ہوتی تو ہم کب کا یہ کام کر چکے ہوتے۔ ہم اس زندگی سے تنگ آ گئے ہیں صالحہ۔ ہماری ساری ہمتیں، ساری برداشت ختم ہو گئی ہے۔'' وہ صالحہ سے گلے لگے بری طرح رو رہی تھی۔

''پاگل ہوئی ہے کیا، ایسا کیوں سوچتی ہے یقیناً رب سائیں کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور نکال دیں گے۔'' اس نے روشنی کی پیٹھ سہلائی۔

''لیکن میری یہ سمجھ نہیں آتا آخر یہ خرم اور اس کی ماں کہاں غائب ہو گئے ہیں۔'' سلمیٰ ایک اور کڑی لائی۔

''ہاں کہہ تو ٹھیک رہی ہے۔'' صالحہ نے اس کی بات کی تائید کی۔

''ہمیں بہت ڈر لگ رہا ہے صالحہ، ہم یہاں سے جانا چاہتے ہیں بہت دور جہاں ہمیں یہ حویلی والے نہ دیکھ سکیں۔'' اس نے صالحہ کے کندھے سے اپنا رویا رویا چہرہ اٹھایا۔

''ارے ہاں روشنی تو بتا رہی تھی کہ خالہ نے تجھے کوئی کارڈ اور تجھ سے کچھ لکھوایا ہے۔ کیا تھا وہ؟'' سلمیٰ نے اس کا دھیان اس جانب موڑا۔ روشنی نے اسے قدرے چونک کر دیکھا اور پھر بولی۔

''ہاں اس طرف تو ہمارا ذہن ہی نہ گیا۔'' وہ اپنے آنسو صاف کرتی ہوئی جلدی سے کمرے میں بھاگی اور وہ دونوں چیزیں لے آئی لیکن پھر خیال کچھ اور آیا جو اس نے زبان کے ذریعے ان سے بیان کر دیا۔

''تو ان دونوں کی فکر نہ کر رب سائیں نے جب یہ مشکل آسان کر دی ہے تو یقیناً ان موؤں کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست ضرور کرے گا۔'' سلمٰی نے روشنی کا کندھا سہلایا۔ ان تینوں نے مل کر بیٹھے بیٹھے یہ پلان ترتیب دے ڈالا جسے ہر صورت پایہ تکمیل تک پہنچنا تھا۔

''روشنی اس سے ہمارا ایک بہت بڑا نقصان ہو گا رے، ہم اپنی بہت اچھی سہیلی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیں گے رے۔'' صالحہ نے افسردہ لہجے میں کہا۔

''ہاں صالحہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے مگر یہ بھی تو دیکھ کہ روشنی ان ظالموں کے چنگل سے نکل جائے گی۔'' سلمٰی نے پیار بھری نظر روشنی پر ڈالی پھر کافی رات تک وہ تینوں صحن میں بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔

یہاں حویلی میں ایک کہرام مچ گیا۔ حویلی کی عورتیں حرا کی نعش کے آگے بین کر رہی تھیں اور مرد ایک جگہ افسردہ کھڑے تھے۔ ملک رضوان غم سے نڈھال ہوئے جا رہے تھے جس بیٹی کو بڑے پیار سے اپنی گود میں کھلایا تھا آج اسی جوان بیٹی کا جنازہ اپنے کندھے پر رکھے قبرستان جانا پڑے گا۔ کب سوچا تھا انہوں نے قسمت کی اس ستم ظریفی کے بارے میں۔

ابھی اسے مرے ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا کہ حویلی کی دیواروں نے پھر سے آہوں، سسکیوں کی صدائیں سنی تھیں جب ملک رحبان شاہ، ملک نیاز اور ان کی والدہ عابدہ بیگم سمیت ملک اسفندیار شاہ کا جنازہ حویلی میں آیا۔ حویلی مکمل ماتم کدہ کا گھر بن چکی تھی، چند دنوں میں بالکل اجڑ چکی تھی۔ چالیسویں تک اس حویلی میں ہر طرف خاموشی، سناٹے ہی گونج رہے تھے حویلی ایک وحشت زدہ بن چکی تھی۔

''چھوٹے ملک ایک بری خبر ہے جو ہم نے اب تک آپ سے چھپا رکھی تھی۔'' آج ان دونوں گارڈز نے ساری ہمتیں مجتمع کر کے وہ بات کرنے کی ٹھان ہی لی۔ وہ دونوں ملک رحبان شاہ کے سامنے ہاتھ باندھے، گردن نیچے کیے خاصے ادب سے کھڑے تھے۔ ملک رحبان شاہ نے پہلے چونک کر دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

''کون سی خبر.....؟''

''و..... وہ..... وہ چھو..... چھوٹے ملک.....'' یہ لفظ کہنے میں ہی ان دونوں نے کافی وقت لگا دیا تھا ملک رحبان شاہ نے جھنجلا کر انہیں دیکھا۔ ''رو..... روش..... روشنی بی بی اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔''

''جسٹ شیٹ اَپ۔'' ملک رحبان شاہ نے غصے میں اس کے جبڑے پر اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا وہیں گھاس پر گر پڑا، جبکہ دوسرا نیلی وردی والا گارڈ سہم کر ان سے دو قدم پیچھے ہٹا۔ حویلی کی افراتفری میں ملک رحبان شاہ نے روشنی کو اگر فراموش کر دیا تھا تو اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ اسے بھول چکا تھا۔ بھلا انسان اپنے

وجود کے کسی حصے کو بھی بھول سکتا ہے وہ تو پھر اس کی زندگی، اس کی روح تھی۔ نس نس میں بہتے خون کی طرح دوڑ رہی تھی۔ اس نے روشنی کے لیے کراچی میں ایک عمدہ فریشڈ اعلیٰ بنگلہ تیار کروایا تھا۔ وہ اسے وہاں اپنے دل کے ساتھ ساتھ شہزادیوں کی طرح سجانا چاہتا تھا مگر جو ابھی کچھ دیر پہلے ان گارڈز نے کہا تھا وہ اس کے لیے کسی شاک سے کم نہ تھا۔

''چھوٹے ملک، حویلی میں حرابی بی کے انتقال کی وجہ سے ہم یہاں آ گئے تھے لیکن صرف دو پہر سے رات تک کے لیے آئے تھے لیکن جب رات کو آئے تو وہ گھر آگ کی مکمل لپیٹ میں تھا۔ ہمارا جانا بہت مشکل تھا چھوٹے ملک تھوڑی دیر میں سب کچھ راکھ ہو چکا تھا۔'' گارڈز نے کپکپاتے ہوئے ساری صورتحال ملک رحبان شاہ کے گوش گزار کر دی۔ ملک رحبان شاہ کو ہر شے گھومتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کا سر چکرا کے رہ گیا۔ اس نے اتنی مشکل سے تلاش کے بعد اس اپسرا کو تلاشا تھا لیکن تقدیر نے اس سے اس کی خوشی، اس کی قسمت چھین لی تھی۔

''نو..... نیور..... یہ کیسے ممکن ہے۔ ایسا کیوں ہوا کیوں.....'' اس پر جنونی کیفیت سوار ہونے لگی۔ اپنے سامنے رکھے کرسیوں اور ٹیبل کو ٹھوکر مارنی شروع کر دی۔ وہ دونوں ملک رحبان شاہ کی حالت دیکھ کر بوکھلا گئے۔ ان دونوں نے جلدی سے بڑھ کر ملک رحبان شاہ کو سنبھالنا چاہا لیکن اس نے ان دونوں کو بری طرح دھکا دیا جس سے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ پائے اور زمین بوس ہوئے۔

''سب تم دونوں کی کوتاہی، لاپروائی کی وجہ سے ہوا ہے۔ سب تم دونوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ تم دونوں بھی کیوں نہ مر گئے۔ دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے..... جاؤ.....'' وہ زور سے دہاڑا۔ ملک رحبان شاہ کا غصہ جنون دیکھ کر وہ دونوں سہم کر رہ گئے وہ دونوں پھرتی سے وہاں سے نکلے۔

''یہ تو نے کیا کیا میرے مالک! زندگی میں ایک خوشی کی کرن دی وہ بھی چھین لی۔ کیوں میرے مالک کیوں.....'' اس نے آسمان کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا۔

حویلی میں پہلے کی طرح کچھ سوگواریت میں کمی آ گئی تھی۔ عابدہ بیگم نے اپنے آپ کو کمرے میں قید کر لیا تھا جہاں وہ صرف عبادت میں مشغول رہتیں۔ ملک نیاز کو اللہ نے دو جڑواں بیٹوں سے نوازا تھا اور ملک شہباز کو ایک بیٹی سے جس کا نام سب نے حرار رکھا تھا۔ ملک رضوان بھی صرف اپنے کمرے کے ہو کر رہ گئے تھے حرا زیادہ تر ان کے پاس رہتی۔ بس ملک رحبان شاہ تھا جس نے حویلی، گاؤں کو چھوڑ کر کراچی میں اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ گھنٹوں وہ اس کی یاد میں گم صم رہتا۔ اسی کو سوچتا اسی کو پوجتا۔ ملک رحبان شاہ نے لندن سے اپنا سارا بزنس وائنڈ اَپ کر کے کراچی میں سیٹ کر لیا تھا یہ الگ بات تھی کہ امپورٹ ایکسپورٹ کے سلسلے میں پاکستان سے باہر یا کراچی شہر سے باہر ایک آدھ چکر لگانا پڑتا تھا۔

☆☆☆

مہندی لگے گی تیرے ہاتھ ڈھولک بجے گی ساری رات

السلام علیکم

ہمیں اپنے نئے بلاگ (ویب سائیٹ) کے لئے رائٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی ممبر ناول، افسانہ، ناولٹ لکھنا چاہے تو ہم سے کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتہ کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ہمیں ای۔ میل کریں یا ان بکس میں میسج کریں۔

شکریہ

Email Address:- aatish2kx@gmail.com

جا کے تم ساجن کے ساتھ بھول نہ جانا یہ دن رات

اذما کی خوبصورت آواز لان میں پورے زور و شور سے گونج رہی تھی اور کیوں نہ گونجتی آخر کو اپنی دوست کی بڑی بہن کی شادی تھی۔ جتنا خوش ہوا جاتا کم تھا۔ سارے ہی کزن لان میں بیٹھے سنگیت کے ساتھ ساتھ خوش گپیوں میں بھی مشغول تھے۔ گھر کے سارے بڑے ان کی ہر ہر حرکات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

آخر کو سب تھک ہار کر اندر ہال میں چلے آئے۔ اذما کو ملا کے تین ہی بہن بھائی تھے سب سے بڑے اذکار جنہوں نے اپنی پسند کی شادی بیلا سے تین سال پہلے ہی کر لی تھی۔ اس کے بعد اذما کی بڑی بہن گوہر جن کی شادی ہونے والی ہے اور آخر میں اذما جو کہ ابھی گریجویشن کر کے بیٹھی تھی اور انجانے میں اپنے بھائی اذکار کے دوست کو دل دے بیٹھی تھی۔

''روشانہ بیٹا ذرا دو کپ چائے تو بنا دو پلیز۔'' ازکار نے صوفے پر بیٹھی اس سے کہا۔

''جی بھائی۔'' وہ اٹھی اور کچن میں چلی آئی۔ ''روشانہ ہم بھی.....'' وہاں پر تقریباً سب ہی چائے کے شیدائی تھے اس لیے چائے کا نام سنتے ہی سب ہی نے اپنے ہاتھ کھڑے کیے جس پر وہ مسکراتی ہوئی دو کپ کی بجائے دس بارہ کپ بنانے لگی تھی۔

''روشانہ آپی چائے تیار ہو گئی ہو تو دے دیں، اذکار بھائی منگوا رہے ہیں۔'' شمسہ جو کہ دس سال کی بچی تھی کچن میں اس کے پاس چلی آئی۔

''ہاں بس بن گئی، یہ لو پہلے تم یہ لے جاؤ۔'' روشانہ پہلے ٹرے میں چائے کے دو کپ رکھ کے اسے تھما دیئے جسے اذما نے جلدی سے جھپٹنے کے انداز میں شمسہ لے لیے۔

''شمسہ گڑیا تم جاؤ تمہیں تمہاری ممی ڈھونڈ رہی ہیں۔ یہ میں دے آتی ہوں۔'' اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چائے کی ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔ شمسہ تو وہاں سے فوراً بھاگ گئی لیکن روشانہ اسے بڑی حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اذما نے اس کی طرف مسکرا کے دیکھا اور پھر چلی گئی جس پر روشانہ کندھے اچکا کے رہ گئی اور پھر باقی کے چائے کے کپ ہال میں بیٹھے لوگوں کو تھمانے لگی۔ آخر میں اس نے تیمور کو دینا چاہا لیکن اس نے کپ سمیت روشانہ کا ہاتھ تھام لیا۔ روشانہ نے اسے ہڑبڑا کے دیکھا اس کے چہرے پر نہایت خباثت تھی اور لبوں پر مکروہ بھری مسکراہٹ۔ اس نے جلدی سے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچا اور ادھر ادھر دیکھا، سارے ہی اپنی اپنی باتوں میں مگن تھے اس لیے کسی کا دھیان یہاں نہ جا سکا۔ وہ وہاں سے بڑی پھرتی سے نکل کر کچن میں دوبارہ چلی آئی اور اپنی مجبوری پر آنسو بہانے لگی۔ اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

''کھٹ کھٹ کھٹ.....'' کچن کے دروازے پر کسی نے دستک دی، روشانہ نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے اور پیچھے پلٹی۔ وہی خبیث روح کو بیچ دروازے پر ایستادہ کھڑا پایا۔ روشانہ کا اسے دیکھ کر خون خشک ہو گیا۔

"میں نے سوچا کہ تم نے اتنی عنایت کردی کہ میرے لیے اپنے ان خوبصورت ہاتھوں سے چائے بنا کر لے آئیں تو کیوں نہ میں یہ زحمت کرلوں کہ کپ ہی کچن میں رکھ آؤں۔" اس نے روشانہ کا بھرپور جائزہ لیا۔

"ویسے چائے بہت مزے دار بنی تھی، دل تو چاہ رہا ہے کہ تمہارے ہاتھوں کو چوم لوں۔" اس نے تو آج حد ہی کردی تھی۔ روشانہ کا ہاتھ پکڑ کر بڑی ہی بے باکی سے اپنے ہونٹوں کے قریب لے جانے لگا کہ روشانہ نے پھرتی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑایا اور بغیر دیر کیے وہی ہاتھ اس کے گال پہ چھوڑ دیا۔ وہ ہکا بکا رہ گیا وہ اسے ایک کمزور لڑکی سمجھ بیٹھا تھا۔

"اگر ہم کچھ کہتے نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اپنی حد پار کر جائیں اس لیے خبردار جواب آپ نے ہمارے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو..... ہم آپ کی شکایت خالہ جان سے کردیں گے۔" وہ اسے خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔ تین مہینے سے وہ اسے تنگ کر رہا تھا اپنی بے ہودہ باتوں سے پریشان کر رہا تھا لیکن وہ صرف خالہ جان کا بھتیجا سمجھ کر برداشت کر رہی تھی اور آخر کب تک برداشت کرتی، پتھر پہ بھی اگر قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا رہے تو اس میں بھی سراخ ہو جاتا ہے وہ تو پھر ایک لڑکی تھی۔ ایک جیتا جاگتا وجود جس کی اپنی بھی کوئی مرضی تھی۔ اپنی زندگی تھی۔

"اس تھپڑ کا حساب بہت جلد چکاؤں گا تم نے ابھی تیمور راز کو صحیح سے جانا نہیں ہے۔ انتظار کرنا۔" وہ اپنا گال سہلاتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ وہ اپنے کمرے میں آکر بیڈ پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"یارب ہمارے ساتھ ہی ایسا کیوں؟" وہ کتنی ہی دیر تک اپنے رب سے شکوے شکایت کرنے لگی۔

☆☆☆

"آہ..... کیا غضب کی پرسنیلٹی ہے یار! ڈیشنگ، ہینڈسم، دلکش یار کون ایسا بدذوق شخص ہوگا جو ان کی حسین پرسنیلٹی سے انسپائر نہ ہو جائے۔ قسم سے یار روشانہ اگر تم بھی دیکھ لوناں تو آئی شیور تعریف کیے بنا نہ رہ پاؤ گی۔" اذما نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"جی نہیں اگر ہم اتفاق سے دیکھ بھی لیں تو ہم ان کی تعریف کبھی بھی نہیں کریں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"ارے اذما یار تم بھی کسے کہہ رہی ہو جو خود حسن و خوبصورتی سے مالا مال ہے بلکہ میرا خیال ہے تمہارے وہ صاحب بہادر سے بجائے یہ امپریس ہوں۔ وہ محترم خود ہی اپنا سب کچھ ہار بیٹھیں گے۔" اذما کی کزن سمیرہ شریر بھرے لہجے میں بولی۔ روشانہ کے چہرے پر بجائے شرم و حیا کی کوئی لالی بکھرتی وہاں بہت سے تاریک سائے نے اپنی جگہ بنائی تھی۔ آنکھوں میں ہلکی سی نمی کی وجہ سے آنکھوں کے ڈورے سرخ ہو گئے تھے۔

"کیوں روشانہ میں نے ٹھیک کہا ناں؟" سمیرہ نے اس سے اپنی بات کی تصدیق چاہی۔ جس پر وہ کھڑی ہو کے جانے لگی کہ پیچھے سے اذما نے زور سے چیخ ماری۔ وہ جاتے جاتے پلٹ کر دیکھنے لگی۔ اذکار بھائی کی مسز

بیلا نے اس کے منہ پر دونوں ہاتھوں سے خوب سارا ایٹن مل دیا تھا۔ سمیرہ کے لگانے کے بعد باری اس کی تھی۔ وہ گھبرا کے باہر کے دروازے کی جانب بھاگنے لگی تھی کہ اندر آتے کسی اجنبی کے شانے سے بری طرح ٹکرا کے گرنے کو تھی اگر اس نے اپنے مضبوط بازوؤں کا سہارا نہ دیا ہوتا۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں تو دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ایک کی آنکھوں میں اگر حیرت کی ملی جلی کیفیت تھی ہزاروں سوالات تھے تو دوسری آنکھوں میں بے پناہ چھپا خوف تھا، ڈر تھا۔

''ارے رحبان صاحب آپ.....'' اذما نے جلدی سے اپنے چہرے پہ لگا ایٹن صاف کیا اور ان دونوں کی طرف چلی آئی جو کہ ابھی بھی اس حالت میں کھڑے تھے۔ روشانہ نے جلدی میں وہاں سے اپنے کمرے کی جانب دوڑ لگا دی اور دروازے کو فوراً سے بیشتر بند کیا اور اوپر نیچے سے بولٹ لگا دیا۔ پھر دروازے سے لگی اپنی رکی سانسوں کو اعتدال پہ لانے کی سعی کرنے لگی۔ اس کا دل حلق میں آ گیا ہو، نس نس میں بہتے خون کے شرارے یک دم رک گئے ہوں۔ جسم پورا پسینے کی وجہ سے یخ ٹھنڈا پڑنے لگا ہو۔ آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کی کپکپاہٹ، کمرے کی ساری اشیاء گھومتی دکھائی دینے لگیں۔

''اور سنائیے رحبان صاحب کیسے ہیں آپ؟'' اذما خوش اسلوبی سے پوچھنے لگی اس دروازے سمیرہ اور مسز بیلا کمرے سے جا چکی تھیں لائٹ انگوری کلف لگے کاٹن کے شلوار قمیص پر بائیں کندھے پر رکھی بلیک مردانہ شال، چوڑے پنجوں پہنی پشاوری سینڈل وہ صوفے پر ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے بڑے شاہانہ انداز میں بیٹھا تھا۔ وہ مسحور کن شخصیت کا مالک تھا پھر اذما جیسی حسن پرست لڑکی میں وہ کیسے نہ دل بن کے دھڑکتا۔ وہ کسی بہت ہی گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا جب ہی اذما کے سوال کا جواب نہیں دیا تھا جس پر اذما اپنا سوال دوبارہ دہرایا، ملک رحبان شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''فائن، پلیز آپ جلدی سے اذکار کو بلائیے۔'' وہ اس سے ہی کیا کسی بھی غیر لیڈیز سے زیادہ بات چیت نہیں کرتا تھا۔ اذما کو اس کی یہ عادت معلوم ہوتے ہوئے بھی اس سے لمبی چوڑی بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتی رہتی جس پر ملک رحبان شاہ اسے بامشکل صرف ایک نظر دیکھنے پر ہی اکتفا کرتا یا اگر جواب دیتا تو بھی بہت ہی مختصر صرف چار پانچ لفظوں میں، جسے اذما اس کی شاندار پرسنیلٹی کی شاہانہ ادا گردانتی۔

آج رات مایوں مہندی کا فنکشن تھا سب ہی اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ساری لڑکیاں خوبصورت لگنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں خود کو سنوار رہی تھیں، نکھار رہی تھیں، کوئی اپنے پرمنگ کھولنے میں لگی تھی تو کوئی رولر، تقریباً ساری ہی لڑکیاں مصروف عمل تھیں۔ آج اذما بہت زیادہ خوش تھی، وہ بالخصوص آج ملک رحبان شاہ کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ آئینے میں کھڑی تیار ہونے کے ساتھ ساتھ گنگنا بھی رہی تھی۔ اس کے چہرے سے خوشی جھلکی پڑی تھی۔ تصور میں خود کو اس کے ہمراہ دیکھ رہی تھی۔ ہر راستے پر اس کے سنگ چلتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اپنے حسین خیالات پر وہ آپ ہی آپ مسکرا دی۔

وہ کمرے میں رکھے فوم کے صوفے پر دبکی بیٹھی تھی جب ہی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ دیکھا اور یہ سمجھ کر کھڑی ہوئی کہ شاید خالہ جان ہوں آخر کو وہ دوپہر سے اندر بند تھی اور اب رات ہونے کو آئی تھی۔ آج ویسے بھی مایوں مہندی کا فنکشن تھا۔ یقیناً اس کی غیر حاضری نے انہیں اس جانب متوجہ کیا ہوگا اور پھر وہ بھی چلے گئے ہوں گے لیکن وہ یہاں کیوں آئے تھے۔ اگر انہوں نے اس کے ساتھ دوبارہ سے کچھ کیا تو کیونکہ ابھی بھی اسے اپنے شانوں پر اس کے لمس محسوس ہو رہے تھے۔ دستک دوبارہ دی گئی تھی روشانہ نے دروازہ کھول دیا۔

''ہیلو!'' ملک رہبان شاہ نے بہت آرام سے ایک ہاتھ دیوار سے لگا کر کھڑے تھے۔ روشانہ نے ڈرو خوف کے مارے بغیر کچھ کہے دروازہ بند کرنا چاہا تو ان کی بھاری و مضبوط پشاوری چپل درمیان میں آگئی۔ انہوں نے پوری قوت سے دروازہ دھکیلا اور اندر داخل ہو گئے۔ روشنی لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے ہو گئی تھی۔ ملک رہبان شاہ نے پلٹ کر کنڈی چڑھائی اور بہت آرام سے اس کے سامنے آگئے۔ اپنی مضبوط ہتھیلی پوری شدت سے اس کے رخسار پر چھوڑ دی۔ جس پر اس کا نازک بدن لہرا کے پیچھے پڑے بیڈ پر ڈھے گیا۔ وہ ابھی سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ ملک رہبان شاہ نے بڑی بے دردی سے اس کے سیاہ لمبے گھنے بالوں کی چوٹی گدی سے پکڑ کے اپنے سامنے کھڑا کیا اور وہ مزاحمت بھی نہ کر سکی۔

''اتنا بڑا دھوکہ، اتنا بڑا فراڈ...... کیوں کیا تم نے ایسا بولو۔'' اس نے چوٹی پر مزید گرفت سخت کی جس سے وہ بلبلا کر رو گئی۔ ''ہماری نظروں میں دھول کیوں جھونکی تم نے۔ کیوں تم ہم سے بھاگیں کیا سمجھ لیا تھا تم نے ہم کو کہ تمہارے ساتھ چند خوشگوار لمحے گزار کر تمہیں دنیا کی بھیڑ میں تنہا چھوڑ دیں گے۔'' رہبان نے اس کی چوٹی جھٹکے سے چھوڑ دی۔ جس سے وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہوئی اور خوفزدہ نظروں سے ساکت کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ ملک رہبان شاہ تھوڑی دیر ٹہلنے کے بعد پھر اس کی طرف آیا۔ ''جانتی ہو ہم نے پل پل تمہاری جدائی میں تمہاری یاد میں لمحہ لمحہ اذیت بھری زندگی گزاری ہے اور اب تک گزار رہے تھے۔ ہم نے اپنی زندگی کو صرف تمہارے لیے تیاگ دیا تھا۔ روشنی صرف تمہاری یاد میں خود کو گم کر لیا تھا ہم نے۔ اپنی نیندیں اپنا سب سکھ چین ہر خوشی ہر غم خود پر حرام کر لیا تھا۔ اور تم یہاں لاہور میں موجود تھیں۔ تو پھر وہ ڈرامہ کیوں کھیلا ہم سے۔'' یہ سوچ کر ہی رہبان شاہ کے بہتے خون کے شراروں میں ایک بار پھر غصے کی لہر دوڑی اس نے اسی روش میں آکر روشنی کے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھٹکے سے قریب کیا جس کے لیے وہ قطعی تیار نہ تھی اور سیدھی اس کے سینے سے جا ٹکرائی۔ بازوؤں پر سخت گرفت کی وجہ سے اور اس کے اتنا قریب ہونے پر اس کی سانسیں رکنے لگیں۔ چہرہ تکلیف کی شدت سے زرد پڑنے لگا جس ملک رہبان شاہ نے بالکل پرواہ نہ کی تھی اسے صرف اپنی زندگی اس کی یاد میں بے بسی کے کاٹے لمحوں کا دکھ تھا۔

''ہمارے تمام شب و روز صرف اور صرف تمہارے لیے تھے۔ اپنے دل میں صرف تمہیں اپنی دھڑکن بنایا

تھا۔ تمہیں پوجا تھا تمہیں ہی چاہا تھا۔'' اس نے بولنا شروع کیا روشنی کو اپنے چہرے پر اس کی گرم گرم سانسوں کے تھپیڑے لگنے لگے۔

''تمہارے جانے کے بعد جانتی ہو کتنی ہی ہماری راہ میں آئیں، کتنی ہی نے ہماری طرف پیار سے ہاتھ بڑھایا لیکن ہم نے سب کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا، کچل ڈالے سب کے جذبات۔ جانتی ہو کیوں...... کیونکہ ہمارے سارے جذبات سارے ہی شب و روز اپنی بے پناہ محبت کا صرف تمہیں ہی اپنا امین بنایا۔ اپنے جسم اپنی روح کا صرف تمہیں مالک بنایا تو پھر یہ حق ہم کسی اور کو کیسے دیتے۔ بولو کیسے دیتے......'' ملک رہبان شاہ نے اپنے دل کا سارا غبار نکال دیا تھا۔ لیکن غصہ بدستور قائم تھا۔

''ہماری ساری باتوں کا جواب ہے تمہارے پاس بولو ہے؟'' ملک رہبان شاہ نے جھٹکے سے اسے وسیع و عریض بیڈ پر زور سے پٹخا۔ اس کے بے پناہ آنسوؤں کو دیکھ کر وہ کچھ دیر ٹھنڈا پڑا۔ کچھ بھی کیا ہو روشنی نے لیکن ملک رہبان شاہ کی وہ محبت تھی چاہت تھی جو کتنے وقت تلاش کے بعد اسے ملی تھی جس کی اس نے پرستش کی ہے پوجا کی ہے۔

''یہ کیسا کڑا امتحان لیا روشنی تم نے ہم سے۔'' وہ بیڈ پر بیٹھی اپنے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ ملک رہبان شاہ اس کے بالکل نزدیک بیٹھ گیا۔ روشنی کو احساس ہوا تو وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ ملک رہبان شاہ نے بڑی سرعت میں اسے اپنے قریب کھینچا جس سے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ پائی اور اسی کی آغوش میں آ گری وہ سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نے اپنے بازو سے اس کے گرد حصار باندھ دیا۔

''ایک سال ہم نے تڑپ تڑپ کے گزارا ہے۔ بہت تکلیف میں رہے ہیں ہم صرف اور صرف تمہاری وجہ سے جس کا تمہیں حساب دینا ہوگا۔'' وہ اس پر جھکا بول رہا تھا اور وہ اس کی دیوانگی دیکھ دیکھ کر زرد پڑتی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسوؤں نے نہ بند ہونے کی جیسے قسم کھا رکھی تھی۔ لب کپکپا رہے تھے جسم اسے سامنے پاتے لرزا جا رہا تھا۔

''اس لیے تم ہر سزا کے لیے خود کو تیار کر لو۔ ہم تمہاری یاد میں کاٹے پل پل تمہاری جدائی میں لمحہ لمحہ بیتے دن کا تم سے ہر حساب بمع سود وصول کریں گے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولا۔ ''اور ایک بات یاد رکھنا......'' ملک رہبان شاہ نے اس کا نازک وجود خود سے قریب تر کیا۔ ''یہاں سے جانے کے بارے میں اب سوچنا بھی مت کیونکہ یہ نہ تو اب تمہارے لیے ممکن ہے اور نہ ہمارے لیے۔ او کے......'' اب کے ملک رہبان شاہ کے لہجے میں روشنی کے لیے نرمی تھی پیار تھا لیکن اس میں بھی سختی تھی، غصے کی جھلک نمایاں تھی جس کو ملک رہبان شاہ نے جس مشکل سے کنٹرول کیا تھا یہ وہی جانتا تھا۔ اس لیے اس نے روشنی کو بڑے آرام سے خود سے دور کیا اور کھڑا ہو گیا۔

''ہم تمہیں یہاں سے بہت جلد لے جائیں گے۔ پھر تم سے وہ سب پوچھیں گے تفصیل سے جس کی وجہ

سے تم ہم سے ڈیڑھ سال دور رہیں کیونکہ ابھی وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔ اس وقت تک اپنا بہت خیال رکھنا کیونکہ تم اب ہماری امانت ہو۔'' وہ اس پر ایک بھرپور نگاہ ڈالتا ہوا وہاں سے نکل پڑا اور وہ وہیں اسی جگہ بالکل ساکت و جامد بیٹھی رہی۔ اس کے لفظ لفظ پر غور کرتی رہی۔ اس کے حرف حرف کے معنی تلاش کرتی رہی۔ اپنے آنسوؤں پر بند باندھنے کی کوشش کرتی رہی۔

☆☆☆

''ہو گیا سارا کام ناں؟'' صالحہ نے پورے گھر کا ایک بار پھر سے جائزہ لینے کے بعد سلمٰی سے کہا۔

''ہاں ہو گیا۔ اب جلدی سے نکلو یہاں سے۔'' سلمٰی نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑے اور صحن کے دروازے پر جلدی سے کنڈا چڑھایا۔

''ہمیں بہت ڈر لگ رہا ہے، کہیں پکڑے نہ جائیں۔'' روشنی اپنے دل کے ڈر کو 36 ویں دفعہ زبان سے ادا کر چکی تھی۔

''جھلی ہوئی ہے کیا جانتی نہیں ہے کہ حویلی کے لوگوں نے اپنی بہو کو چھپ کر صرف اس لیے زندہ جلا دیا تھا کہ ان کے بیٹے نے تیرے جیسی ہی کسی غریب لڑکی سے شادی رچائی تھی۔ اور اگر ان لوگوں نے تیرے ساتھ بھی ویسا کیا تو.....'' صالحہ نے اس کا ڈانٹا۔

''دیکھ روشنی تو ہماری بچپن کی سہیلی ہے اور ہم دونوں تجھے بالکل اپنی بہن سمجھتے ہیں لیکن روشنی تجھے وہ لوگ کوئی تکلیف دیں یہ برداشت نہیں ہوگا ہم سے۔ اس لیے بہتری تیری اسی میں ہے کہ تو یہاں سے لاہور چلی جا۔ یہاں کا سب میں اور سلمٰی سنبھال لیں گے۔ کیوں سلمٰی.....!''

اس کو سمجھانے کے ساتھ ساتھ وہ سلمٰی سے بولی، جس پر سلمٰی نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''اب کچھ مت سوچ اور جلدی نکل یہاں سے ورنہ وہ دونوں خدائی فوجدار کے بچے آ جائیں گے۔'' وہ تینوں اسٹول پر چڑھ کر دیوار کی پچھلی گلی میں اتر گئیں جہاں اندھیرے کے ساتھ ساتھ خاموشی اور سناٹا تھا جہاں بہت کم لوگوں کا گزر ہوتا تھا۔

ان دونوں نے روشنی کے پورے گھر ہر شے ہر دیوار یہاں تک ذرے ذرے پر مٹی کا تیل اور پیٹرول چھڑک دیا تھا تاکہ سب کچھ لمحوں میں راکھ کا ڈھیر بن جائے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ یہاں روشنی نہیں تھی۔ ماچس کی ہلکی سی چنگاری ہی بہت تھی اور لمحوں سے بھی کم لمحے میں پورا گھر آگ و شعلے کی لپیٹ میں تھا۔

ریلوے اسٹیشن پر وہ تینوں ایک دوسرے سے لپٹ کر بری طرح رو رہی تھیں۔

''روشنی یہاں سے جانے کے بعد بھول جانا کہ کبھی تو کسی گاؤں میں رہتی تھی۔ تیرا کوئی بھیانک ماضی تھا یا..... یا پھر کبھی تیری کوئی صالحہ اور سلمٰی نام کی سہیلیاں تھیں۔'' صالحہ روتے ہوئے بولی۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو۔ یہ ہم سے نہ ہوگا ہم کیسے اور کیوں بھول سکتے ہیں اپنی جان تک دینے والی سہیلیوں کو۔''

روشنی نے اس کے بہتے آنسو صاف کیے۔ آنسو تو اس کے خود بھی نہ تھم رہے تھے۔

"صالحہ ٹھیک کہہ رہی ہے روشنی، یہ ملک لوگ بڑے شاطر ہوتے ہیں رہے۔ ان کی نظر بہت تیز ہوتی ہے ان سے بچنا بہت مشکل بلکہ اچھی قسمت کے مترادف ہے۔" سلمیٰ نے بلیک چادر میں سر سے پیر تک کے ناخن تک ڈھکی روشنی کو دیکھا۔

"تو لاہور جا کر اپنی زندگی کی نئی شروعات کر، اگر یاد کرنا تو صرف اپنے دل میں ہمیں یاد کر لینا۔ لیکن کسی سے اپنے ماضی کا تذکرہ کبھی بھی نہ کرنا۔" اس نے روشنی کو ایک بار پھر تڑپ کے گلے لگایا۔ ان کی غم زدہ باتوں میں ٹرین کا سائرن بجنا شروع ہوا۔ بیک وقت تینوں کی ہی نظریں وہاں اٹھی تھیں۔

"اب جا جلدی کر دیر ہو رہی ہے اور اپنا بہت خیال رکھنا۔" صالحہ نے جلدی جلدی کہا اور اس کے ماتھے پر پیار بھرا بوسہ دیا۔ ان دونوں نے اسے ٹرین میں سوار کیا۔ یہ سب کرتے ہوئے تینوں کی دل یکبارگی دھڑکے تھے۔

"صالحہ آخری بات......" وہ دروازے پر کھڑی بولی۔ "اگر...... اگر خرم آجائے تو تم اس سے بھی کہہ دینا کہ اب روشنی اس دنیا میں نہیں رہی۔" اس نے اپنا ہاتھ بلیک چادر سے نکال کر اس کی طرف بڑھایا جیسے اس سے وعدہ لینا چاہ رہی ہو۔ جس پر پہلے تو ان دونوں نے اسے چونک کر دیکھا پھر صالحہ نے اس کا لرزتا ہاتھ تھام لیا اور آنکھوں کو ہلکی سی جنبش دی۔ ٹرین چل پڑی تھی اور گاؤں، صالحہ، سلمیٰ سارا منظر آنکھوں سے دور ہوتا چلا گیا۔ سارے مناظر پیچھے بھاگنے لگے۔ اسے آگے سے آگے ترلے جانے لگے جہاں اس کے لیے نئی زندگی اس کا استقبال کرنا چاہ رہی تھی۔ نئی امید جیسے اسے پکار رہی تھی۔ اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ بمع اپنا ماضی سمیت کو بھول کر آگے کی روشنیوں کو خوشیوں کو خوش آمدید کہنے چلی تھی۔ انہیں اپنی بانہوں میں تھامنے چلی تھی۔

☆☆☆

گاؤں والے سب ہی اسے جلتے ہوئے آگ سے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے سامنے کھڑے تھے، جو آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔

"نا جانے ہم گاؤں والوں سے ایسا کیا گناہ سرزد ہو گیا کہ آج ہی آج میں دو جوان جہان لڑکیوں کو اس کی سزا بھگتنی پڑی۔" گاؤں کی ایک عورت دوسری عورت سے دکھ بھرے لہجے میں بولی جس پر وہ گردن ہلانے لگی۔

"ہاں بھئی تو ٹھیک ہی کہہ رہی ہے، پہلے بیچاری حرا بی بی چلی گئیں کہ انہیں ابھی دفنا کر بھی آئے نہ تھے کہ بیچاری روشنی جل کر مر گئی۔" گارڈز کے آنے سے پہلے پہلے سب کچھ راکھ کا ڈھیر ہو چکا تھا جل چکا تھا۔

☆☆☆

وہ اس وقت فرح بیگم کے سامنے کھڑی تھی اور وہ خط جو کہ مرنے سے پہلے اس کی ماں نے اس سے لکھوایا ...... زندگی کا تمام احوال لکھا تھا اور ساتھ یہ کہ روشنی کی زندگی کو یہاں خطرہ ہے۔ انہوں نے پورا

خط پڑھنے کے بعد سامنے کھڑی بلیک چادر میں لپٹی آنسو بہاتی روشانہ کو دیکھا پھر خط لپیٹ کر اسے اپنی نرم و گرم آغوش میں بھر لیا۔ وہ ان کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رو دی۔

''بس میری جان، اب یہ آنسو تمہاری آنکھوں میں نہیں آنے چاہیے۔'' انہوں نے بڑے پیار سے اس کے آنسو صاف کیے۔ ''اب تم میری ذمے داری ہو اور یہاں بالکل محفوظ بھی۔'' انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ''آج سے تم بھی میری بیٹی ہو، اسی طرح جس طرح گوہر اور اذما ہیں۔''

فرح اور فاطمہ کزن کے ساتھ ساتھ بچپن کی سہیلیاں تھیں۔ فاطمہ کی گاؤں میں کسی کسان سے شادی کر دی گئی جبکہ قسمت نے فرح کو لاہور بھیج دیا۔ جہاں اس کے شوہر ضیاء نے تمام ناکامیوں، ناامیدوں کو پیچھے چھوڑ کے کامرانی بے شمار کامیابیوں کی راہ پر گامزن رہے اور آج ایک جانے پہچانے بزنس مین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

☆☆☆

''یار میں تو کہتا ہوں اب تم بھی شادی کر ہی لو۔ آخر کب تک ایسے کنوارہ رہنا ہے۔'' اذکار نے ملک رھبان شاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ سب (سوائے روشانہ کے) گوہر کی مہندی لے کر دولھا والوں کے گھر آئے ہوئے تھے۔ پورا لان مرکری بلب سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا ایک جگہ ناشتے کی ٹیبل سجائی گئی تھی جہاں انواع قسم کے کھانے پینے کی چیزیں رکھی گئی تھیں اذکار اور ملک رھبان شاہ اپنا اپنا کافی کا کپ تھامے تنہائی کے ایک گوشے میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

''ہم شادی کر چکے ہیں۔'' ملک رھبان شاہ نے مسکرا کے اسے دیکھا وہ جو مگ اپنے ہونٹ کے قریب لے جانے کو تھا یک دم ہاتھ رک گیا اور اسے حیران بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

''کیا.....'' کچھ دیر خاموشی کے بعد اذکار بولا، جس پر ملک رھبان شاہ نے اسے اپنی تمام داستان محبت اس کے آگے رکھ دی۔ وہ بچونکا ہی تو رہ گیا تھا۔

''لیکن روشانہ نے کبھی بتایا کیوں نہیں!'' وہ ابھی تک اس کی باتوں پر حیران ہو رہا تھا۔

''فی الحال یہ سب ابھی رہنے دو، تم بس صرف کل تک اس کا خیال رکھنا۔'' ملک رھبان شاہ نے اپنے مگ سے اڑتے دھویں کو بغور تکا۔ ''ہم اپنی امانت کل لے جائیں گے۔'' پھر اذکار کو دیکھا۔ ''ایکچولی میں جس ہوٹل میں ٹھہرا ہوں وہاں میرے علاوہ بزنس کے سلسلے میں آئے کچھ اور بھی لوگ ہیں اس لیے صرف آج رات اور وہ تمہارے گھر رہے گی۔ اوکے۔'' اپنے شاندار لہجے میں کہا گیا۔

''اوکے یار، یہ بھی کوئی بات ہے۔ میں نے اسے ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن اذما کی طرح ہی سمجھا ہے اور اب تو اور پیاری ہو جائے گی مجھے کہ میرے بہترین دوست کی محبت ہے۔'' اذکار کے لہجے میں اپنے دوست کے لیے ڈھیروں پیار سمٹا تھا۔

''ارے آپ لوگ یہاں تنہائی میں کھڑے کیا کر رہے ہیں؟'' وہ دونوں اپنی باتوں میں مگن تھے جب ہی

اذ ما ہاتھ میں برگر اور چپس سے بھری پلیٹ تھامے وہاں چلی آئی۔

''اور شاید آپ لوگوں نے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔'' وہ ان کے مگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی جب ہی اپنی پلیٹ ان دونوں کے بیچ کر دی۔ ازکار نے اپنی بہن کا دل رکھنے کے لیے اس میں سے چند چپس اٹھا لیے لیکن ملک رحبان شاہ نے اس پلیٹ کی طرف دیکھنا تک گوارا نہ کیا، بلکہ تھوڑا سا رخ موڑے کافی کے سپ لینے لگا۔ ازما کا دل اس کی بے رخی پر مرجھا کر رہ گیا کہ آج وہ بالخصوص اس کے لیے تیار ہوئی تھی لیکن اس ظالم نے ایک نظر دیکھنا تک گوارہ نہ کیا لیکن اس نے اپنے دل میں ایک بار پھر سے ارادہ باندھ لیا آخر کب تک پھر بھی سہی۔

ملک رحبان شاہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے وہ رنگ دیکھ چکا تھا جو اسے سامنے پا کے مزید لشکارے مارنا شروع کر دیتے تھے۔ اس کے چہرے کے قوس و قزح سے ناواقف نہ تھا لیکن وہ ان رنگوں کی اس پسندیدگی کی کبھی بھی پذیرائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ایوان دل پر صرف ایک ہی چہرہ چمکتا دمکتا ہے جس میں وہ خیانت کا بالکل بھی روادار نہ تھا۔ روشنی چاہے اس سے کتنا ہی خوفزدہ تھی کتنی ہی ڈری سہمی کیوں نہ ہو لیکن ملک رحبان شاہ کو اپنی محبت پر کامل یقین ہے کہ وہ روشنی کو اپنی بے پناہ محبت کے رنگوں میں ڈھال لے گا اپنی چاہت سے اسے خود سے محبت کرنے کا فن سکھائے گا رام کر لے گا اسے جس کا نہ تو زیادہ اسے انتظار کرنا پڑے گا نہ ہی روشنی کو۔ روشنی کو سوچ کر آپ ہی آپ اس کے لبوں پر سرشاری سے مسکراہٹ رینگ گئی۔

☆☆☆

''شٹ یار!'' رائب جو کہ قمروش، سمیرہ، روشانہ، امبرین سمیت گاڑی میں بیٹھے شادی ہال میں جانے کے لیے نکلے تھے تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ راستے میں گاڑی نے آگے چلنے سے قطع انکار کر دیا تھا۔ باقی کی ساری گاڑیاں دور نکل گئی تھیں اس لیے وہ ان کی رکی گاڑی دیکھ نہ سکے۔

''اب تم میں سے کوئی جلدی سے گھر جائے اور کسی جگ یا بوتل میں پانی بھر کے لائے۔ گاڑی کے انجن کو پانی کی ضرورت ہے۔'' رائب نے ان چاروں کو دیکھا۔ سمیرہ نے صاف انکار کر دیا کہ وہ اپنی میں قطع ہاتھ نہیں ڈال سکتی کیونکہ اس کی گلٹر مہندی چھوٹ جائے گی اور یہ ہی جواب امبرین کا بھی تھا جبکہ قمروش کو اندھیرے اور تنہائی سے بہت ڈر لگتا تھا۔ اب بچی روشنی جو باری باری انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ رائب نے ان تینوں کو پہلے گھورا اور زچ ہو کے بولا۔

''روشانہ صاحبہ آپ ہی چلی جائیے یا پھر آپ کے ساتھ بھی کوئی پرابلم ہے۔''

''جی بہتر!'' وہ گاڑی سے اتر کر جانے لگی اس کے اکیلے پن کا خیال کرتے ہوئے رائب نے ان تینوں سے کہا۔

''تم میں سے کوئی اس کے ساتھ ہی چلا جائے۔'' اس کا لہجہ جلا ہوا تھا۔ اس پر بھی ان تینوں نے اسے یہ بھنڈی دکھا دی کہ باہر گرمی بہت ہے ہمارا پسینے سے میک اپ خراب ہو جائے گا جس پر وہ تپ کر بولا۔

"ہاں ایسی ہی تو اپسرا ہو کہیں کی۔" ان تینوں نے اس سے نخوت سے منہ موڑ لیے۔

"اب سالے یہ تیری بائیک اب تک اسٹارٹ کیوں نہیں ہو رہی ہے۔" بائیک اسٹارٹ کرتا تیمور سے پاس کھڑا فراز بولا۔

"پتہ نہیں یار، یہ آج کیوں۔" وہ آگے بولتا بولتا رکا تھا۔ "اب سمجھا یہ آج دغا کیوں کر رہی ہے۔" اس نے بائیک کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آنکھ کے اشارے سے فراز کی توجہ سامنے سے آتی اورنج اینڈ بلیک کنٹراس کی سلک سوٹ جس پر لائٹ سا موتیوں اور دبکے کا کام ہوا تھا وہ اپنی ہی دھن میں گردن جھکائے اکیلے چلی آ رہی تھی۔

"یار ویسے یہ بات ماننے کی ہے کہ یہ لڑکی غضب کی ہے قیامت کا حسن پایا ہے اس نے۔" فراز کا لہجہ نہایت کرواہٹ سے پر تھا۔

"لیکن یار ایک چیز خراب ہے یہ مغرور بہت ہے کسی سے بات تو کیا دیکھنا تک پسند نہیں کرتی جیسے ہم اچھوت ہوں۔"

"تو چلو آج اس کا غرور بھی توڑ دیتے ہیں اور اس حسن میں داغ بھی لگا دیتے ہیں۔" وہ کمینگی سے کہتا ہوا فراز کو ساتھ لیے اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ روشنی نے آہٹ پر گردن اٹھائی تو سکتے کے عالم کی کیفیت میں خود کو مبتلا پایا۔ میدے جیسی رنگت زرد پڑنے لگی۔ دل ان کی مکروہ بھری مسکراہٹ دیکھ کر رکنے کی کوشش کرنے لگا آنکھوں میں جمی خباثت سے وہ ہراساں ہونے لگی۔

"کیوں کیا بھول گئیں......" تیمور نے اپنا بایاں گال سہلایا جہاں کچھ روز پہلے اس نے اپنی انگلیوں کے نشان چھوڑے تھے۔ وہ تو ڈر کر اپنے قدم پیچھے ہٹانے لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں اپنے مکروہ ارادے میں کامیاب ہوں وہ بھاگنے کے انداز میں پیچھے مڑی تھی کہ اس کا بازو تیمور کے ہاتھ میں آ گیا۔

"چھوڑ دہمیں، ہم کہتے ہیں چھوڑ دہمیں...... جانے دو......" وہ رونے لگی آواز میں قدرے لغزش تھی لیکن وہ ہنس رہے تھے خوب زور زور سے قہقہے لگا رہے تھے۔

"آج میں تم سے اپنا حساب بمع سود سمیت چکا دوں گا، یاد ہے نہ تمہیں وہ دن، اس دن میں مجبور تھا لیکن آج تمہاری مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔" تیمور اسے زبردستی اندر لے جانے لگا تھا وہ دروازے کے اندر لے جانے کو تھا کہ اس نے بڑی مشکل سے اپنا بازو اس کے ہاتھ سے چھڑایا اور جلدی سے پیچھے بھاگنے لگی۔ فراز ان کے آگے تھا اور تیمور اس کے ساتھ لیکن روشانہ نے اچانک یہ کیا تھا وہ اسے پکڑنا ہی چاہتا تھا اس کا لہراتا ہوا دوپٹہ اس کے ہاتھ لگا تھا جس کی وہ پرواہ کیے بغیر باہر جانے کو تھی کہ سامنے سے آتے کسی لمبے چوڑے وجود سے بری طرح ٹکرائی۔ اس نے ہڑبڑا کے سامنے والے کو دیکھا وہ کوئی اور نہ تھا بلکہ ملک رہبان شاہ تھا جو نا چاہتے ہوئے بھی اس کی سوچوں میں شامل ہو چکا تھا۔ وہ اپنی اس قدر بے بسی پہ اسی کے سینے پر سر رکھ کر رو دی۔ ملک رہبان شاہ نے پہلے اسے بغور تکا اور پھر سامنے کھڑے ان دونوں کو جس میں سے ایک کے ہاتھ میں روشنی کا اورنج دوپٹہ لہرا

رہا تھا۔ ملک رحبان شاہ کی غصے سے دماغ کی رگیں تن گئیں۔ اس کی عزت و آبرو پر کسی نے بری نظر ڈالنے کی کوشش کی تھی یہ برداشت نہ تھا اسے۔ ملک رحبان شاہ نے ایک نظر روتی بلکتی اس کے سینے سے لگی دونوں ہتھیلیوں میں اس کی قمیص کو پکڑے روشنی کو دیکھا پھر اپنے کندھے پہ رکھی مردانہ براؤن شال سے اس کے نازک وجود کو اچھی طرح ڈھانپ دیا جس کو ملک رحبان شاہ نے اب تک غلط نظروں سے بری نیت سے کبھی محسوس تک نہ کیا تھا۔ اسے کانچ کی نازک گڑیا سمجھا تھا اور کوئی اس کانچ کی گڑیا پر غلیظ نظروں سے دیکھے یہ کب گوارہ تھا اسے۔ اپنے پیچھے کھڑے دونوں گارڈز کو تھوڑا رخ موڑے گردن کو ہلکا سا خم دیا تھا وہ تو تھے ہی اشارے کے منتظر دونوں ہی غصے میں آگے بڑھے اور ان دونوں رنگین مزاج لڑکوں کو بھاگنے کا موقع دیئے بغیر ان پر پل پڑے۔

''او مائی گاڈ!'' اذکار اپنے کزن کو بری طرح پٹتا دیکھ کر دوڑا دوڑا ملک رحبان شاہ کے پاس چلا آیا۔

''رحبان پلیز یار انہیں روکو، وہ مر جائیں گے۔'' ان کی حالت بہت زیادہ بری کر دی گئی تھی۔ نک سک سی تیاری بگڑ کے رہ گئی تھی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا دونوں کی شکلیں پہچاننے لائق نہیں رہی تھیں۔ ملک رحبان شاہ نے انہیں اشارے سے منع کر دیا تھا وہ دونوں گارڈز رک گئے اور وہاں سے ہٹتے چلے گئے۔

''ہم انہیں صرف تمہاری دوستی کی وجہ سے چھوڑ رہے ہیں یہیں ورنہ ہماری عزت پر بری نگاہ ڈالنے والوں کی ہم آنکھیں نکال لیا کرتے ہیں۔'' اس نے رعب دار لہجے میں کہا۔ ملک رحبان شاہ کی آنکھوں میں اپنے لیے بے اعتمادی بے اعتباری دیکھ کر اذکار کا چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کو دل چاہا اس لیے اس نے فوراً اپنی نظروں کو شرمندگی سے جھکا لیا۔ اور ملک رحبان شاہ بغیر اس کی طرف دیکھے اور بغیر کچھ کہے روشنی کو لے کر چلا گیا۔ ملک رحبان شاہ اسے ہوٹل لے آیا جہاں وہ بزنس ڈیلنگ کی وجہ سے قیام پذیر تھا۔ روشنی کمرے میں رکھے جہازی سائز بیڈ کے کونے پر بیٹھی اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں چھپائے ہچکیوں و سسکیوں سے رو رہی تھی رونے سے اس کا نازک سراپا ہولے ہولے لرز رہا تھا اور سائیڈ میں رکھا سنگل صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑے سکون و اطمینان سے ملک رحبان شاہ براجمان تھا اسموکنگ کرنے کے ساتھ اس کی نظریں روتی بلکتی روشنی پر ٹکی تھیں۔

آخر کو تھک ہار کر اس کی سسکیوں و ہچکیوں میں خاصی کمی آ گئی تھی۔ ملک رحبان شاہ کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں سے صاف کیا، نمی پھر بھی آنکھوں کی زینت بنی رہی۔

''رو چکیں!'' ملک رحبان شاہ نے ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھاڑ کر اسے بغور تکا۔ روشنی نے اپنی نگاہوں کا رخ کم لمحے کے لیے اس تک موڑا تھا اور پھر جھکا کر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرنے لگی۔

ملک رحبان شاہ نے کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد سلگتی ہوئی سگریٹ کو کرسٹل کے بنے ایش ٹرے کی نظر اور کھڑا ہوا اس کی رگوں میں ابھی بھی غصہ دوڑ رہا تھا جسے وہ کنٹرول کرنے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔ ادھر ادھر ٹہلنے کے بعد وہ روشنی کے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوا اور اسے بغور تکتا چلا گیا۔

''کون سا ایسا جواز تھا یا کون سی ایسی حقیقت تھی جو تمہیں یہ سب کرنے پر مجبور کر گیا بولو جواب دو۔'' روشنی سمجھ گئی تھی کہ وہ کس بارے میں پوچھ رہا تھا۔ ''وہ کون سا ایسا راز تھا جس پر تم نے یہ انتہائی قدم اٹھایا تھا، جو تمہیں ہم سب سے بہت دور لے گیا کہ نہ تو تمہیں ہمارے دل میں دھڑکنے والی دھڑکن سنائی دی جو صرف تمہیں ہی صدائیں دیتی رہی ہے۔'' ملک رحبان شاہ نے اس کی کلائی پکڑی اور اپنے سامنے کھڑا کر دیا۔

اور وہ آرام آرام سے اسے وہ سب بتاتی چلی گئی جو کچھ اس کے ساتھ ہوا جو اس نے سہا ملک رحبان شاہ نے اس کے لہجے میں چھپا خوف از حد محسوس کیا تھا۔ جیسے جیسے وہ زندگی کے لمحوں کی پرتیں کھول رہی تھی ملک رحبان شاہ کو اتنا ہی خود پر اور اس پر غصہ آ رہا تھا جو اب کے وہ ضبط نہ کر سکا، قابو نہ پا سکا اپنے غصے پر۔

''اور تم نے یقین کر لیا جس بات کی کوئی رتی بھر حقیقت نہیں ہے۔'' ملک رحبان شاہ کی آواز کے ساتھ اس کا لہجہ بھی تیز تھا اس کے غصے کی لغزش نے روشنی کو سہما ڈالا۔ اس نے گھبرا کر ملک رحبان شاہ کی ہتھیلی سے اپنی کلائی چھڑائی اور تھوڑا پیچھے جا ہٹی۔ اسے روشنی کی اس حرکت نے سرتاپا سلگا ڈالا۔ وہ ابھی بھی اسے بے اعتبار گردان رہی تھی۔ بے یقین سمجھ رہی تھی۔

''کبھی تم نے میری آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی ہے۔ کبھی مجھے بغور تکا ہے۔ نہیں کبھی نہیں..... کیوں دیکھو گی تم، تمہیں مجھ پر یقین ہو تب ناں۔'' وہ غصے میں ادھر ادھر ٹہل رہا تھا اور وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔ ''کبھی کبھی تو مجھے خود پر ترس آتا ہے لعنت بھیجنے کو دل کرتا ہے کہ میں نے تم جیسی لڑکی کو چاہا اس سے پیار کیا۔ اسے اپنے دل کا حکمراں بنایا جو کہ ان سب باتوں سے نابلد ہے ناواقف ہے۔'' آخر کو بولتا بولتا تھک ہار کے سنگل صوفے پر جا بیٹھا اور سامنے کھڑی ڈری ڈری سہمی سی روشنی کو دیکھنے لگا۔

روشنی کھڑی اس کے لفظوں کی باریکیوں پر غور کر رہی تھی سن رہی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی اس کا اتنا بھی دیوانہ ہو سکتا ہے کوئی اس سے اتنی محبت بھی اتنا پیار بھی کر سکتا ہے۔ روشنی نے اس کی محبت کو اس کے پیار کو حوس کا نام دے کر کتنی بڑی غلطی کی تھی وہ سامنے بیٹھے ملک رحبان شاہ کو تکنے لگی جو محبت میں شکست زدہ اپنے بالوں میں ہاتھ دیئے بیٹھا تھا جس کی یہ حالت صرف اور صرف اس کی وجہ سے ہوئی تھی۔

ملک رحبان شاہ اچانک اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور اس کے قریب چلا آیا اس کی دونوں کلائیاں اپنی گرفت میں کر لیں۔

''کیسے یقین آئے گا تمہیں بولو، کیسے تم ہماری بے پناہ محبت پر، چاہت پر یقین کرو گی۔ جان دے دوں؟''

ملک رحبان شاہ نے اپنا چہرہ اس کے چہرے کے مزید قریب کر کے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''روشنی جان دے دوں بولو؟ اگر یہ تمہیں ہماری پاکیزہ و سچی محبت پر یقین دلانے کا طریقہ ہے تو جان دے دوں؟'' اس کی آنکھوں میں جھلکتا عزم بتا رہا تھا کہ وہ یہ کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ روشنی کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو، جیسے وہ اس کی محبت پر یقین نہ کر کے بہت بڑا گناہ کر رہی ہو، روشنی کے دل و دماغ سے اس کی

محبت کی گواہی آئی ہو کہ ہاں ملک رحبان شاہ کی محبت سچی ہے پاکیزہ ہے۔ آلودگی سے پاک ہے۔ اس نے تمہارے جسم سے نہیں تمہاری روح سے پیار کیا ہے وہ ابھی تک سوچوں کے بھنور میں پھنسی تھی ملک رحبان شاہ نا جانے کیا سوچ کر اس سے چند قدم کے فاصلے پر جا کھڑا ہوا اور رخ موڑ کے کمرے کی کھڑکی تک چلا آیا۔ جہاں سے چودھویں کا چاند اور اس کے ہمراہ ڈھیروں ستارے کالے آسمان پر جگمگا رہے تھے ملک رحبان شاہ کی نظریں وہیں پر ٹکیں تھیں۔

روشنی کتنی ہی دیر تک اس کی چوڑی پشت تکتی چلی گئی۔ سامنے کھڑا یہ دیوانہ اس کا شوہر ہے جس نے ہر طریقے سے اس کے نام پر اپنے نام کی مہر ثبت کر دی تھی جو کہ اس کی محبت کا ثبوت تھی۔ اس کو سوچ سوچ کر روشنی کی دل کی دھڑکن تیز تر ہونے لگی۔ اس کے جارحانہ جنونی رویوں پر اس کی سوچوں نے ایک نئی راہ چن لی تھی۔ بارش ہونے کا منظر جیسے ہر شے نکھار دیتا ہے اجلا اجلا کر دیتا ہے ایسا ہی کچھ روشنی کا بھی حال تھا وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس تک پہنچی ہمت و حوصلے کے دامن کو پکڑے رکھا اور اس کی چوڑی پشت پر اپنا نازک ہاتھ دھر دیا۔ ملک رحبان شاہ چونک کر مڑا اسے دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے والی چہرے پر بکھری زرد رنگت غائب تھی۔ اب وہاں پنک لالی نے احاطہ کر رکھا تھا۔ سرخ لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ نے ڈیرا ڈال رکھا تھا نگاہیں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔

''ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے آپ پلیز ہمیں معاف کر دیجیے۔'' وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں بے دردی سے مروڑ رہی تھی۔

''غلطی.....'' ملک رحبان شاہ جھٹ سے بولا۔ ''غلطیاں ہوئی ہیں تم سے جس کی تمہیں سزا ملے گی، وہ بھی بہت کڑی۔'' روشنی نے اس کے لفظوں پر اسے ایک بار پھر سہم کے دیکھا لیکن فوراً ہی جھکانی پڑیں کیونکہ لبوں پر شریر مسکراہٹ اور آنکھوں میں شرارت سے بھری چمک نے احاطہ کیا ہوا تھا۔ روشنی نے گھبرا کے رخ موڑنا چاہا پر ایسا نہ ہوا۔ ملک رحبان شاہ نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے نزدیک کر لیا۔

''تیار ہو کڑی سے کڑی سزائیں بھگتنے کے لیے!'' ملک رحبان شاہ کی قربت اسے ہراساں کر رہی تھی بوکھلائے دے رہی تھی اس کی اتنی نزدیکی جو کہ ملک رحبان شاہ نے فوراً ہی نوٹ کر لی تھی اور ایک جان دار قہقہہ فضاؤں کے سپرد کیا۔

''ابھی تو میں نے تمہیں صرف چھوا ہے کچھ کر دیا تو تم تو بے ہوش ہی ہو جاؤ گی۔'' اس نے کان میں دھیرے سے سرگوشی کی۔ ''ویسے میری شال میں بہت اچھی لگ رہی ہو تم۔'' ملک رحبان شاہ نے اس پر ڈلی اپنی شال کی طرف اشارہ کیا تو روشنی نے بے دھیانی میں مضبوطی سے اپنے گرد ڈلی شال کو تھام لیا۔ ملک رحبان شاہ ہولے سے مسکرا دیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے دھیمے سے اقرار نے ملک رحبان شاہ کو کتنی تقویت بخشی تھی دل میں پورے وجود میں ٹھنڈا سا سکون اترا تھا اس کا انگ انگ جھوم اٹھا تھا روشنی کے اظہار پر لیکن وہ جانتا تھا کہ

روشنی پیار کا اظہار کرنے زبان سے اقرار کرنے میں کافی وقت لے گی مگر ملک رحبان شاہ کو اپنی بے پناہ محبت پر بھروسہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ پیار کے اظہار کے لیے اسے طویل انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

وہ اسے ساتھ لیے بیڈ پر آ بیٹھا اور وہ اس کے برابر میں بازو کے حصار میں جھینپی جھینپی سی بیٹھی اس کی محبت میں کانے شب و روز کو سنتی رہی مسکراتی رہی۔ روشنی نے سوچ لیا تھا کہ اس کا سہارا اس کا ہمسفر صرف اور صرف ملک رحبان شاہ ہی ہے جو اسے ہر گزرتے سرد و گرم حالات سے چھپالے گا۔ اس کے باوجود اس کے دل میں چھپا ایک ڈر، ایک خوف، ایک خدشہ بیٹھا تھا جو کسی طرح نکلنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

☆☆☆

''شرم آ رہی ہے مجھے خود سے کہ رحبان کے کہنے کے باوجود میں روشانہ کی کیئر نہ کر سکا اور غصہ آ رہا ہے تیمور اور فراز پر، ان لوگوں نے اتنی گھٹیا حرکت کرنے کے بارے میں سوچا بھی کیسے اور وہ بھی روشانہ کے ساتھ جسے میں نے اپنی بہن بنایا تھا۔'' رات جیسے تیسے گوہر کی رخصتی ہوئی اور وہ لوگ گھر آ گئے۔ آدھا خاندان اگر گھر میں تھا تو آدھا ہاسپٹل میں فراز اور تیمور کی جو حالت تھی وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی انہیں اتنی بے دردی سے پیٹا گیا تھا کہ ڈاکٹرز تک کے رونگٹے کانپ اٹھے تھے یہ کیس، پولیس کیس تھا لیکن اذکار نے ایسا ہونے نہیں دیا۔ پوری رات سب کی تقریباً اشک باری میں ہی گزری تھی اذکار نے کوئی ایک گھنٹے تک رائب کی بھی خوب کلاس لی تھی۔

''تمہاری ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں کیا۔ یا لڑکیوں کی طرح تم نے بھی اپنے پیروں میں مہندی رچا رکھی تھی۔'' اذکار کا غصہ اتنا خطرناک اور سوا نیزے پر تھا کہ ہر کوئی اپنی جگہ سہما کھڑا تھا۔ کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ کوئی چوں بھی کر لیتا۔ پورے ہال میں صرف اذکار کی آواز گونج رہی تھی۔

''وہ تو میں اپنا کیمرہ بھول گیا تھا گھر میں وہ لینے آیا کہ یہ سب دیکھنا پڑا تھا۔ اگر میں نہ آتا تو ممی، تو جانتی ہیں آپ کیا کچھ نہ ہو جاتا وہ دونوں مر بھی سکتے تھے۔ اپنی جان سے جا سکتے تھے۔ ملک رحبان شاہ کوئی چھوٹی موٹی شخصیت نہیں وڈیرا ہے وہ۔ اور اس ملک میں وڈیروں کے لیے کسی کا خون کرنا، کسی کی جان لینا کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔ اپنی عزت کے لیے خاندان کے خاندان بھی تباہ و برباد کر دیں تو ان کے لیے کوئی معیوب بات نہیں۔'' چیختا چنگھاڑتا اذکار چند لمحے کے لیے سانس لینے رکا۔

''لیکن اذکار بیٹا روشانہ نے کبھی بتایا کیوں نہیں کہ وہ ملک رحبان شاہ کی بیوی ہے۔'' فرح بیگم نے نہایت آرام سے پوچھا۔

''ممی، یہ ان کا اپنا ہیڈک ہے میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کر رہا ہوں۔'' وہ زچ ہو کے بولا۔ ''بات یہ ہے کہ ایسا ان دونوں نے کیا ہی کیوں۔'' وہ پھر غصہ ہوا۔ ''آپ جانتی ہیں رات میں رحبان کے سامنے کھڑا خود کو کتنا ریڈ سمجھ رہا تھا۔ کتنی شرمندگی میں خود کو گھرا محسوس کر رہا تھا۔ اب میں کس منہ سے اس کا سامنا کروں

گا۔" وہ یہ سب سوچ کر ایک بار پھر شرمندگیوں کی اتھاہ گہرائی میں گرنے لگا۔ "اور آپ کا ارادہ اذما کی شادی تیمور سے کرنے کا لیکن میں ایسے گھٹیا اور گرے ہوئے شخص کو اپنی پیاری بہن اذما بالکل نہیں سونپوں گا اور ایک بات اور...... آج کے بعد ان دونوں میں سے کوئی مجھے اس گھر میں نظر نہ آئے۔" وہ غصے میں کہتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔

اذما روتے ہوئے اپنے کمرے میں جا بند ہوئی اور اپنے ادھورے سپنوں اور پیار سے بنے خوابوں کی بچی راکھ پر ماتم کے علاوہ کچھ نہ کر سکی۔ شکر تھا اس پروردیگار کا جو وہ اتنا آگے تک نہیں گئی تھی ورنہ شاید پیچھے مڑنا بھی بہت مشکل تھا۔

☆☆☆

صبح وہ دونوں کراچی میں موجود تھے۔ گرے پجیرو، بلیک جالی والے گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور پورچ میں آ کر رکی۔ وہ اسے لیے گاڑی سے اترا۔ روشنی نے ادھر ادھر دیکھا ہرے بھرے سبزہ کے بیچ وائٹ بنگلہ اپنی الگ ہی شان دکھا رہا تھا۔ زمین پر بچھی گھاس آنکھوں کو بہت بھلی لگ رہی تھی۔ سائیڈ میں ہر رنگ کے گلاب کے پودے ان پر کھلے پورے گلاب کے پھول بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ کچھ الگ الگ پھولوں کے پودوں کے علاوہ وہاں پھلوں کے درخت بھی تھے جیسے آم، چیکو، فالسے وغیرہ کے درخت۔ پورچ میں کھڑی گرے پجیرو کے علاوہ بلیک کرولا اور ریڈ مرسیڈیز بھی کھڑی تھیں۔

"چلیں اندر!" ملک رہبان شاہ کی گمبھیر آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ دونوں شیشم کی لکڑی سے بنے دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ اندر کا حصہ باہر کے حصے سے کچھ کم نہیں لگ رہا تھا۔ ماربل کا بنا فرش جو شیشے سے زیادہ شفاف صاف ستھرا لگ رہا تھا جس پر وہ اس وقت ملک رہبان شاہ کے ساتھ کھڑی تھی۔ یہاں تک وہاں کی ہر شے نادر و نایاب تھی جس کی تعریف کے لیے لفظ نہیں تھے جو ادا کیے جاتے۔

سامنے سے آتے حویلی کے تمام لوگوں کو دیکھ کر روشنی بری طرح گھبرا گئی اور سہم کر اپنے بالکل برابر کھڑے وائٹ لٹھے کے شلوار قمیص میں ملبوس ملک رہبان شاہ کی پشت پر جا چھپی جس پر وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ عابدہ بیگم اس کا خوف ڈر سمجھتے ہوئے خود ہی وہاں چلی آئیں۔ انہیں ملک رہبان شاہ نے اپنی زندگی کے سارے اوراق پڑھا ڈالے تھے۔ عابدہ بیگم کو ناز تھا فخر تھا اپنے بیٹے پر۔ اپنے تینوں بیٹوں میں انہوں نے زیادہ چاہت اسی سے ہی تو کی ہے۔ پھر روشنی کو وہ کیوں نہ چاہتی وہ ان کے عزیز از جان بیٹے کی چاہت ہے محبت ہے اس کی۔

"نہ پتر ڈرو نہیں آؤ ادھر ہمارے پاس۔" وہ اس کی کلائی نرمی سے تھامے اپنے ساتھ لے کر صوفے پر آ بیٹھیں۔ جبکہ ملک رہبان شاہ وہیں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ نیاز اور شہباز شاہ بھی وہیں صوفے پر بیٹھے تھے جبکہ اقراء اور رائیل سائیڈ میں کھڑی اس کو مسکرا کے دیکھ رہی تھیں۔

"تم نے جو سنا وہ بالکل غلط سنا تھا۔ صبح میری بہو ضرور لگتی تھی لیکن یہ قدرت کا نظام ہے کہ وہ جسے چاہے

موت دے سکتا ہے صبح کی موت بھی ایسے ہی لکھی تھی۔ اس لیے اسے ایسی موت کے مرنے سے کوئی نہ روک سکا۔" وہ بڑے پیار سے اسے سمجھا رہی تھیں۔ اس کے ذہن سے وہ ڈر و خوف نکال رہی تھیں جو دل و دماغ میں سختی سے بیٹھ چکا ہے۔ "لیکن تم میرے چہیتے بیٹے کی پسند ہو اس کی محبت ہو جسے میں نے تمہاری جدائی میں دکھی و افسردہ دیکھا ہے محسوس کیا ہے کہ اس کا غم...... مجھے ناز ہے اپنے بیٹے کی پسند پر۔ اگر یہ مجھے پہلے تمہارے بارے میں بتا دیتے تو تمہیں یوں در بدر نہ ہونا پڑتا لیکن اب تم آ گئی ہو تو میں تمہیں بالکل شہزادی بنا کر رکھوں گی۔"

انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر ملک رہبان شاہ کی طرف دیکھا۔

"رہبان پتر تم نے روشانہ کے بارے میں تھوڑا بتایا تھا یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔" عابدہ بیگم کی بات پر وہ سر جھکائے دھیمے سے مسکرا دیا۔

"اقراء، رابیل، تیار ہو تم دونوں تو لے جاؤ ہماری روشنی کو اور اس کا کام سب سے پہلے کرو۔" عابدہ بیگم رخ موڑے ان دونوں سے ذو معنی لہجے میں بولیں جس کا روشنی نے وہی مطلب لیا جس سے وہ ڈری سہمی رہی تھی وہ گھبرا کر ان لوگوں کو دیکھنے لگی۔ وہ دونوں اس کے قریب آ رہی تھیں وہ ان دونوں کے چہرے کی مسکراہٹ بھی نہ دیکھ سکی جو کچھ اور زیادہ ہی کھل سی گئی تھی۔ لیکن اس کا دماغ کچھ اور ہی کام کر رہا تھا کہ شاید یہ لوگ بھی مجھے جلانے......

"نہیں......" وہ چیختی ہوئی ملک رہبان شاہ کے پیچھے ایک بار پھر جا چھپی۔ اقراء اور رابیل نا سمجھی کے عالم میں بھی عابدہ بیگم تو کبھی رہبان کا بازو دبوچے روشنی کو تکنے لگیں جبکہ نیاز شاہ اور ملک شہباز شاہ بھی نا سمجھی کے عالم میں تھے۔

"ارے یہ کیا، ٹھیک ہے اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں کہ ہم اپنی روشنی کو خود اپنے ہاتھوں سے دلھن بنائیں لیکن وہ کیا ہے کہ ہماری بھابھیوں کی آرزو و خواہش ہم سے زیادہ خود ان کی ہے۔ اس لیے پہلا حق تو ان کا ہے ناں۔" وہ اپنا رخ اس کی سمت موڑے شریر لہجے میں بولا۔ وہ سمجھ چکا تھا روشنی کا ڈر لیکن اس نے اب تہیہ کر لیا تھا کہ وہ یہ ڈر اس کا ہر حال میں نکال دے گا۔ اس کی بات سمجھ کر روشنی نے گڑبڑا کر اس کا بازو چھوڑا اور بغور اسے تکتی چلی گئی۔

"آرام سے اور جی بھر کے دیکھ لینا اکیلے میں اس پیار بھرے انداز میں مگر ابھی تو سب کا خیال کرو۔ جو ہماری ہی طرف متوجہ ہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولا۔ روشنی شرم و حیا سے کٹ کر رہ گئی۔ "اور ہاں سنو اب جب میرے سامنے آؤ تو خود کو مکمل تیار کر لینا کیونکہ تمہارے فراق میں کاٹے لمحہ لمحہ کا حساب وصول کریں گے۔" ملک رہبان شاہ نے دھیمے سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اس کی سرگوشی پر وہ کان لوؤں تک سرخ ہو گئی اور چہرہ نیچے کیے ہوئے مسکرا دی۔ ملک رہبان شاہ کے اشارے پر اقراء اور رابیل دونوں اسے لینے آگے بڑھیں جس کے لیے اب وہ بالکل تیار تھی۔

(ختم شد)